57

محدث

وَدَاعِيًا إِلَى اللَّهِ بِإِذْنِهِ وَسِرَاجًا مُّنِيرًا

مجلس التحقیق الاسلامی گارڈن ٹاؤن ○ لاہور ۱۶

مدیر اعلیٰ
حافظ عبدالرحمن مدنی

ماہنامہ محدث لاہور

ماہنامہ 'محدث' لاہور کا اجمالی تعارُف

مُدیرِ اعلیٰ: حافظ عبدالرحمٰن مدنی **مُدیر:** ڈاکٹر حافظ حسن مدنی

ماہنامہ 'محدث' لاہور، ہندوستان سے نکلنے والے ایک رسالے کی ہی ارتقائی شکل ہے۔ جامعہ رحمانیہ دہلی سے نکلنے والے رسالے - جس کا نام محدث تھا- کو پروان چڑھاتے ہوئے تقسیمِ ہند کے بعد دوبارہ ماہنامہ 'محدث' لاہور کے نام سے پاکستان میں معروف عالم دین ودانشور حافظ عبدالرحمٰن مدنی حفظہ اللہ نے اس کا اِجراء کیا۔ یہ تحقیقی رسالہ ۱۹۷۰ء سے اب تک کامیابی وکامرانی سے شائع ہورہا ہے، وللہ الحمد!

محدث کی علمی پہچان کے حوالے سے اتنا ہی کافی ہے کہ یہ ہر صاحبِ علم وفضل کی ضرورت بن چکا ہے کیونکہ اس کے مضامین جدید فکر کے حامل اور ملحدانہ افکار کیلئے شمشیر بے نیام کی حیثیت رکھتے ہیں۔

گھر بیٹھے 'محدث' وصول کیجئے!

قارئین کرام! گھر بیٹھے محدث حاصل کرنے کیلئے درج ذیل طریقہ کار اختیار کریں!

فی شمارہ: ۲۰روپے **زرِ سالانہ:** ۲۰۰روپے **بیرون ملک:** ۲۰ڈالر

بذریعہ منی آرڈر/بینک ڈرافٹ ۲۰۰روپے بھیج کر سال بھر گھر بیٹھے محدث وصول کریں اور علمی وتحقیقی مضامین سے استفادہ کریں۔ **ایڈریس:** ماہنامہ محدث، ۹۹جے، ماڈل ٹاؤن، لاہور ۵۴۷۰۰

فون نمبر: 35866476 / 042 - 3586639 **موبائل:** 0305 - 4600861

انٹرنیٹ پر محدث پڑھنے اور ڈاؤن لوڈ کرنے کیلئے درج ذیل ویب سائٹ دیکھئے!

www.kitabosunnat.com __ www.mohaddis.com

مزید تفصیلات کیلئے: webmaster@kitabosunnat.com

اجرائے مُحدث کے مقاصد

- عناد اور تعصّب قوم کیلئے زہر ہلاہل کی حیثیت رکھتے ہیں!
لیکن تعصّبات سے بالاتر رہ کر افہام و تفہیم اُمت کیلئے رحمت کا باعث ہے۔

- علومِ جدیدہ سے ناواقفیت اور انکار، انسانی ارتقاء کو تسلیم کرنے میں بخل کا درجہ رکھتے ہیں!
لیکن قدیم علومِ اسلامیہ کو فرسودہ قرار دینا اور مذہبی روایات کے حاملین کو دَقیانوس بتانا اُمت کی تباہی کا سبب ہے۔

- غیر مذاہب کے بارے میں معاندانہ رویہ اختیار کرنا اسلامی اَقدار کے منافی ہے!
لیکن دینِ اسلام پر غیر مذاہب کے حملوں کا دفاع نہ کرنا اور اسلام کی تبلیغ کا فریضہ سر انجام نہ دینا حمیت دینی اور غیرتِ اسلامی سے یکسر انحراف ہے۔

- تبلیغ دین اور اشاعت اسلام میں حکمتِ عملی کو نظر انداز کر دینا مصالح دینیہ کے خلاف ہے!
لیکن حلال اور حرام کے امتیاز میں رَواداری برتنا اور قوانین و مسائل اسلامیہ کو نرم کر دینا اسلامی روح کو کمزور کر دینے کے مترادف ہے۔

- آئین و سیاست سے بیگانہ ہر کر عبادت کیلئے گوشہ نشین ہو جانا زندگی سے فرار ہے!
لیکن جدا ہو دین سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی۔

- جاہل کو دور ہی سے سلام کر دینا عبادِ صالحین کے اَوصاف میں داخل ہے!
لیکن جاہلیت کو مٹانا اور باطل کا تعاقب کرنا عین جہاد ہے۔

اگر آپ ایسا منصفانہ اور معتدلانہ رویہ پسند کرتے ہیں تو

ماہنامہ محدث لاہور

کا مطالعہ فرمائیے، آپ اس کو ان جملہ صفات و محاسن سے مزین پائیں گے، ان شاء اللہ!
کیونکہ اس کے مضامین اسی مخصوص طرزِ فکر کے حامل ہوتے ہیں۔

ملّتِ اسلامیّہ کا علمی اور اصلاحی مجلّہ

ماہنامہ

محدّث

لاہور

(فون) صدر دفتر: ۳۵۴۲۵۰ | ذیلی دفتر: ۵۴۸۷۳

جلد ۷ | صفر المظفر ۱۳۹۷ھ | عدد ۲

فہرست مضامین

۱- فکر و نظر ...... خشیتِ الٰہی .... اداریہ ۲

۲- الکتاب والحکمۃ ..... یہ تیس مار خاں و یاں آپ کے کچھ کام نہیں آئیں گے... مولانا عزیز زبیدی ۸

۳- السنۃ والحدیث ..... یقین کیجیے: یہ بھری جیبیں اور بھاری توندیں کچھ نہیں 〃 ۱۴

۴- دارالافتاء ..... غضِ بصر اور پردہ، دوسری رکعت وتر میں تشہد، امام مقیم اور مقتدی مسافر، مہینوں تیمم کا سلسلہ، مرد اور عورت کی نماز میں کوئی فرق نہیں، روحانی بیوی، مولانا مودودی کی تفہیم القرآن کے چند مسائل، پست اور اونچی آواز کے مابین تلاوتِ قرآن، قرآن کو نسیان کر ان کا مقابلہ کیا، ایک مرد کے مقابلے میں شہادت کے لیے دو عورتیں، خدا کے لیے جمع کا صیغہ، حضورؐ کا تیوری چڑھانا۔ 〃 ۱۷

۵- تعارف و تبصرہ کتب .... ملک شاہ سلجوقی .... ادارہ ۴۷

سید مودودی کے تعلیمی نظریات .... ابو شاہد

ناشر: حافظ عبدالرحمٰن مدنی　طابع: چودھری رشید احمد　مطبع: مکتبہ جدید پریس، ۴- شارع فاطمہ جناح، لاہور

زرِ سالانہ: ۱۵/۰۰ روپے

فی پرچہ ۱/۵۰ روپیہ

فکر و نظر

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

خشیتِ الٰہی

تمام بھلائیوں کی جڑ اور سب روگوں کی دوا ہے

یہ دنیا ابتلاء و آزمائش کا ایک ہولناک گھروندا اور سب سے بڑی امتحان گاہ ہے۔

وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ وَّكَانَ عَرْشُهُ عَلَى الْمَاءِ لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا (پ ۱۲۔ ہود ع ۱)

اور وہی (قادرِ مطلق ہے) جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں پیدا کیا اور (اس وقت) اس کا تختِ (کبریائی) پانی پر تھا (بہر حال یہ دنیا اس لیے بنائی) تاکہ تم کو آزمائے کہ تم میں سے کس کے عمل بہتر ہیں۔

إِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ (پ ۶۔ مائدہ ع ۷)

تم سب کو اللہ کی طرف لوٹ کر جانا ہے (جب اس کے پاس جاؤ گے) تو جو کچھ (دنیا میں) کرتے رہے ہو (اس کا نیک و بد سب) تم کو بتا دے گا۔

قدم قدم پر لڑکھڑانا، حشر بردوش زندگی کا ہر لمحہ معنوی اور روحانی حادثات سے دوچار ہونا، حیاتِ مستعار کے اس بحرِ ناپیدا کنار میں فتنوں کے دیو ہیکل مگرمچھوں اور بپھرے ہوئے نفس و طاغوت جیسے جہنم کی صدائے وحشتناک "هَلْ مِنْ مَّزِيدٍ" کا سامنا کرنا، اس دنیا کے وہ معنی خیز عناصر ہیں جن کی وجہ سے انسان کی زندگی عموماً غیر متوازن ہو جاتی ہے۔ ان حالات میں اگر کوئی چیز انسان کو متوازن رکھ سکتی ہے تو وہ صرف

رب کی خشیت اور اس کی معیت کا احساس ہے۔

وَمَنْ يُطِعِ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ وَيَخْشَ اللّٰهَ وَيَتَّقْهِ فَأُولٰئِكَ هُمُ الْفَائِزُونَ (پ ۱۸۔ النور ع ۷)

اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانے اور اللہ سے ڈرے اور اس (کی ناراضگی) سے بچتا رہے تو ایسے ہی لوگ کامیاب ہوں گے۔

تبلیغ بھی ان کو مفید رہتی ہے، جن کے دل میں خوفِ خدا ہوتا ہے اور وہ صرف بے خبری

کی بنا پر گمراہ ہوتے ہیں۔

اِنَّمَا تُنْذِرُ مَنِ اتَّبَعَ الذِّكْرَ وَخَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ (سورہ یس)

"آپ تو بس اسی کو ڈرا سکتے ہیں جو نصیحت کا اتباع کرے اور بے دیکھے رحمٰن سے ڈرے۔"

اِنَّمَا تُنْذِرُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ (پ۲۲۔ فاطر ع۲)

"آپ تو صرف انہی لوگوں کو ڈرا سکتے ہیں جو بے دیکھے اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں۔"

درس عبرت بھی ان لوگوں کے حصہ میں آتا ہے جو خوف خدا رکھتے ہیں۔

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى (پ۳۰۔ النازعات)

قرآن کی آیات بینات کو صرف ان کے دلوں میں گداز اور تڑپ پیدا ہوتی ہے جو رب سے ڈرتے اور کانپتے ہیں، یہی وہ راہ ہے جو سیدھی رب کی طرف جاتی ہے:

اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ ط ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ (پ۲۳۔ الزمر ع۱)

"اللہ نے بہت ہی اچھا کلام (یعنی یہ) کتاب اتاری (جس کی باتیں) ملتی جلتی (ہیں اور سمجھانے کو) بار بار دہرائی گئی ہیں، جو لوگ رب سے ڈرتے ہیں اس (کے سننے) سے ان کے بدن بھی کانپ اٹھتے ہیں۔ پھر ان کے جسم اور دل نرم ہو کر یادِ الٰہی کی طرف (راغب) ہوتے ہیں۔ یہ (قرآن) ہدایتِ الٰہی ہے جس کو چاہتا ہے سیدھا رستہ دکھاتا ہے۔

جہاں ایسے اہلِ دل پائیں، انھیں ضرور سمجھائیں!

فَذَكِّرْ اِنْ نَّفَعَتِ الذِّكْرٰى (پ۳۰۔ الاعلیٰ)

"بس جہاں تک (سمجھوکہ) سمجھانا مفید ہے، سمجھاتے رہو۔"

لیکن فائدہ صرف اسے ہوگا جس کے دل میں خوفِ خدا اور انجام بد سے ڈرتا ہوگا:

سَيَذَّكَّرُ مَنْ يَّخْشٰى (ایضاً)

"جو (خدا سے یا انجامِ بد سے) ڈرتا ہے وہ تو جلد سمجھ لے گا۔"

ہاں جو ازلی شقی اور بدقسمت ہیں، وہ تو اس سے کترا کر ہی گزریں گے۔

وَيَتَجَنَّبُهَا الْاَشْقَى (ایضاً)

"مگر بدبخت (ازلی) تو اس سے گریز ہی کرتا رہے گا۔"

آگ دوزخ سے بھی صرف وہی لوگ بچ سکیں گے، جن کو خدا کا ڈر ہے۔

وَالَّذِيْنَ هُمْ مِّنْ عَذَابِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ (پ۲۹۔ المعارج ع۱)

"(مگر) وہ لوگ جو اپنے رب کے عذاب سے ڈرتے رہتے ہیں"

رب کی رضا کے حق دار بھی وہ لوگ ہوں گے جو رب سے ڈرتے رہتے ہیں۔

رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهٗ (پ۳۰۔ البینہ)

"اللہ ان سے راضی اور وہ اس سے خوش۔ یہ (اجر) اس کے لیے ہے جو اپنے رب سے ڈرتا ہے۔"

ایک طبقہ اعمالِ بد اور کفر و شرک کے باوجود، مال و منال اور آل و اولاد کی وافر متاع جب پالیتا ہے تو وہ اس سے اس غلط فہمی میں پڑ جاتا ہے کہ سب خیر ہے، رب مجھ سے کچھ زیادہ خفا نہیں ہے بلکہ اس کو ہماری کچھ ادائیں بھا گئی ہیں، ورنہ یہ انعام و اکرام کی بارش نہ ہوتی۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ، اصل میں وہ بات نہیں سمجھے۔ یہ استدراج اور مقام حجت ہے۔ رحمت نہیں ہے۔

اَيَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهٖ مِنْ مَّالٍ وَّبَنِيْنَ ۝ نُسَارِعُ لَهُمْ فِي الْخَيْرَاتِ ۭ بَلْ لَّا يَشْعُرُوْنَ (پ۱۸۔ المومنون ع۶)

"کیا یہ لوگ ایسا خیال کرتے ہیں کہ ہم جو مال اور اولاد سے ان کی مدد کیے جا رہے ہیں (اس کے یہ معنی ہیں کہ) ہم ان کو فائدہ پہنچانے میں جلدی کر رہے ہیں، نہیں بلکہ یہ لوگ بات نہیں سمجھتے۔"

ہاں دنیا میں اعمالِ صالحہ، اخلاق حمیدہ، حسنات اور ملکات فاضلہ کی تکمیل ضرور ان لوگوں کے حصے میں آتی ہے جو سدا رب سے ڈرتے رہتے ہیں۔

اِنَّ الَّذِيْنَ هُمْ مِّنْ خَشْيَةِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِرَبِّهِمْ لَا يُشْرِكُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ اَنَّهُمْ اِلٰى رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ يُسٰرِعُوْنَ فِي الْخَيْرَاتِ وَهُمْ لَهَا سٰبِقُوْنَ ۝ (پ۱۸۔ المومنون ع۴)

"اور جو لوگ اپنے رب سے ترساں رہتے ہیں اور جو اپنے رب کی آیتوں پر یقین رکھتے ہیں اور جو اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتے اور جتنا کچھ دیتے بن پڑتا ہے، دیتے ہیں اور (اس پر بھی) ان کے دلوں کو اس بات کا کھٹکا لگا رہتا ہے کہ ان کو اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانا ہے، یہی لوگ دوڑ دوڑ کر بھلائیاں لیتے اور ان کے لیے لپکتے ہیں۔"

خدا کے گھر کو وہی لوگ آباد رکھتے ہیں جو صرف خدا سے ڈرتے ہیں۔

إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَلَمْ يَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ (پ - توبہ ع)

"اللہ کی مسجدوں کو (حقیقت میں) وہی آباد رکھتا ہے جو اللہ اور روز آخرت پر ایمان لایا اور نماز پڑھتا اور زکوٰۃ دیتا رہا اور جس نے خدا کے سوا کسی کا ڈر نہ مانا۔"

ہر طرف شور ہے کہ،

رشوت نے جان کھالی ہے، ہر طرف لوٹ کھسوٹ کا بازار گرم ہے، ہر شے میں ملاوٹ ہے۔ عدل و انصاف کی بولی ہوتی ہے، حکام ظالم اور ظالموں کے مددگار ہیں، سیئات کی بھرمار ہے، حسنات کا صرف نام ہے اور وہ بھی کہیں کہیں، اخلاص کا فقدان ہے۔ اخلاقِ حسنہ کا قحط ہے، بدکاری عام ہے، سودخوری کی بہتات ہے، ناپ تول میں حد درجہ کی بے ایمانی کی جاتی ہے۔ ضمیر اور حق کی آواز کون سنتا ہے۔ فحاشی اور عریانی، دھوکا، فریب، دھونس اور دھاندلی کا کاروبار تھوک کے حساب سے جاری ہے، شرم و حیا نایاب ہے۔ اسلام اور ایمان کی بات کرنا جان جوکھوں میں ڈالنے والی بات ہوگئی ہے۔

علماء ہیں تو بیشتر دراوردہا من الاماشاء اللہ۔

تاجر ہیں تو عموماً مکار۔

سیاستدان ہیں تو صرف آنکھوں میں دھول جھونکنے والے۔

حکام ہیں تو صرف شکاری

طلباء ہیں تو صرف ایک فیشن، علم کی پیاس سے عاری۔

عوام ہیں تو صرف شکار یا شکاری

حکمران ہیں تو صرف وعدۂ فردا

نمائندے ہیں تو صرف جنس عوام کے کاروباری۔

جتنا کوئی سماج دشمن اتنا وہ معزز (جتنا لچا اتنا اُچا)

سیاسی جماعتیں ہیں تو عموماً کرسی کی متلاشی، فکر بلند سے خالی الاماشاء اللہ۔

مذہبی ادارے ہیں تو عموماً چندوں کے حصول کے لیے حیلہ ساز اور جو مخلص ہیں وہ گنتی کے برابر۔

الغرض؛ اونٹ رے اونٹ تیری کون سی کل سیدھی کے مصداق دنیا میں مسلسل اور

غیر مختتم بگاڑ کا ایک سلسلہ ہے جس کا سبھی رونا رو رہے ہیں مگر اس کی اصلاح کے لیے کوئی بھی شخص ٹھوس اور حقیقت پسندانہ اقدام کی توفیق نہیں پا رہا، زیادہ سے زیادہ اس کے خلاف دار و گیر کی رفتار تیز کر دیں گے۔ کوئی سخت قانون بنا دیں گے، اس کی مذمت کر دیں گے۔ انجمن بنا کر لوگوں کو وعظ و نصیحت کریں گے لیکن قرآن کا نسخۂ شفا کسی کو یاد نہیں رہتا۔ اس کی طرف کوئی توجہ نہیں دیتا۔

قرآن کا دعویٰ ہے کہ خشیت الٰہی کے بغیر کوئی روگ دور ہوتا ہے نہ کوئی بھلائی جڑ پکڑتی ہے مگر یہ وہ جنس نہیں جو بازار میں بکتی ہو۔ نہ وہ قومی اسمبلی کی تقریروں اور شاطر حکمرانوں کے چھپے دار ریل اور بیانوں سے حاصل ہوتی ہے۔

اگر کوئی چاہتا ہے کہ خشیتِ الٰہی سے اس کا دل آباد ہو تو اسے، خدا کی معیت، آخرت، دربارِ الٰہی میں پیشی اور اعمال کے بے لاگ محاسبہ کے تصور اور استحضار کی مشق کرنا چاہیے۔ جو صرف ذکرِ الٰہی، نماز، استغفار اور انفاق فی سبیل اللہ کے ذریعے پیدا ہوتی ہے ہاں وہ بے خدا اور غافل لوگوں کی صحبت سے ضائع ہوتی ہے اور ایسے تعامل کے ہاتھوں مٹ جاتی ہے جو نفس و طاغوت کے غلاموں کا شیوہ ہوتا ہے۔

صحابہؓ خوفِ آخرت، خشیتِ الٰہی اور اعمال کے ہولناک نتائج کی فکر سے سدا لرزہ براندام رہتے تھے۔

وراثت کے معاملے میں دو صحابہ میں نزاع ہو جاتی ہے۔ آخر وہ کیس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچا۔ آپؐ نے فرمایا کہ اگر میں نے کسی کی چرب زبانی سے ناحق کسی کے حق میں فیصلہ کر دیا تو میں نے اس کے گلے میں آگ کا طوق لٹکا دیا۔ یہ سن کر دونوں رو پڑے اور وہ ایک دوسرے کے حق میں دستبردار ہونے پر اتر آئے۔

عن ام سلمة قالت اتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رجلان یختصمان فی مواریث لھما لم تکن لھما بینة الا دعواھما فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم فذکر مثله (الی) انما انا بشر وانکم تختصمون الی ولعل بعضکم ان یکون الحن بحجته من بعض فاقضی له علی نحو مما اسمع منه فمن قضیت له من حق اخیه بشیء فلا یاخذ منه شیئا فانما اقطع له قطعة من النار، فبکی الرجلان فقال کل واحد منھما حقی لک الحدیث۔

(ابو داؤد باب فی قضاء القاضی اذا اخطاء)

یہ اسی خشیتِ الٰہی کا نتیجہ تھا کہ ہر ایک اپنے حق میں فیصلہ لینے سے دست بردار ہو گیا۔ ورنہ

آپ جانتے ہیں کہ آج کل نا حق کیا کیا نہیں ہو رہا۔

یہاں تو ہولناک بھونچال، اور باد و باراں کے ہوشربا طوفان بھی آتے ہیں تو ان کا احساس نہیں کیا جاتا۔ صحابہؓ کا تو حال یہ تھا کہ اگر ذرے اندھیرا بھی چھا جاتا تو گھبرا اٹھتے۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں۔ ہوا بھی تیز ہو جاتی تو خوفِ قیامت سے مسجد کو بھاگتے۔

كانت ظلمة على عهد انس بن مالكؓ قال فاتيت انسا فقلت يا ابا حمزة هل كان يصيبكم مثل هذا على عهد رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم؟ قال معاذ الله! ان كانت الريح لتشتد فنبادر المسجد مخافة القيامة (ابو داؤد باب الصلوٰة عند الظلمة و نحوها)

اگر آپ چاہتے ہیں کہ قانون کا احترام ہو، مفاسد کا قلع قمع ہو، حسنات کی دنیا آباد ہو تو پھر دل میں "خشیت الٰہی" کا بیج بونے کی کوشش کیجیے! ورنہ اس کے بغیر شاید ہی انسانیت برگ و بار لا سکے۔

رحمۃٌ للعالمین اور ختم المرسلین

سیدِ کونینؐ جس دم عازمِ پرواز تھا
یہ زمیں کیا آسماں بھی فرشِ پا انداز تھا

آپؐ کے حُسنِ تخاطب میں وہ سوز و ساز تھا
ذرہ ذرہ اس جہاں کا گوش بر آواز تھا

رفتہ رفتہ پھول کھلتے ہیں چمن میں جس طرح
ہاں، لبِ لعلیں کے کھلنے کا یہی انداز تھا

قیصر و کسریٰ کے ایوانوں میں آئے زلزلے
آپؐ کی دعوت کا مکہ میں ابھی آغاز تھا

قتل کی نیت سے جو آیا مسلماں ہو گیا
اللہ اللہ آپؐ کی صورت میں کیا اعجاز تھا

رحمۃ للعالمینؐ تھے اور ختم المرسلینؐ
آپؐ کا کیا وصف تھا، کیا آپؐ کا اعزاز تھا

یہ بھی آنحضرتؐ کی سچائی کی ہے عاجزؔ دلیل
ہر بشر کے قول سے قولِ آپؐ کا ممتاز تھا

★

عبد الرحمٰن عاجزؔ مالیر کوٹلوی

الکتاب، والحکمۃ

عزیز زبیدی - واربرٹن

یہ تیس مار خاں وہاں آپ کے کچھ کام نہیں آئیں گے

نہ آپ کی کوئی تدبیر چلے گی

وَاِذْ يَتَحَآجُّوْنَ فِي النَّارِ فَيَقُوْلُ الضُّعَفٰٓؤُا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا فَهَلْ اَنْتُمْ مُّغْنُوْنَ عَنَّا نَصِيْبًا مِّنَ النَّارِ ۝ قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُلٌّ فِيْهَآ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ حَكَمَ بَيْنَ الْعِبَادِ ۝ (پ ۲۴ - المومن ع ۵)

"اور ایک وقت ہوگا (کہ دوزخی) ایک دوسرے سے دوزخ میں جھگڑیں گے تو ادنیٰ درجے کے لوگ (عوام) بڑے لوگوں سے کہیں گے کہ ہم تو تمہارے تابع تھے تو کیا (اب) تم تھوڑی سی آگ بھی ہم پر سے ہٹا سکتے ہو؟ (وہ) بڑے لوگ (جواب میں) کہیں گے کہ (اب) ہم (تم) سب اسی (آگ) میں (پڑے) ہیں۔ اللہ (کو اپنے) بندوں کے بارے میں (جو کچھ) حکم (دینا تھا سو دے چکا۔"

بااثر طبقے، امیر لوگ، بڑے بڑے جاگیردار، اونچے درجے کے زمیندار، کروڑ پتی سرمایہ دار، روحانی شاطر، کاروباری اور مکار پیر، چرب زبان حکمران، جبابرہ، صوبائی اور قومی اسمبلیوں کے نام نہاد نمائندے اور ان کے چمچے، دنیا میں عوام کا جس طرح روحانی اور مادی استحصال کرتے ہیں، وہ کسی سے پوشیدہ نہیں ہے۔ عوام بھی کچھ اپنی ذاتی کمزوری کی وجہ سے، اور کچھ لوگ موہوم اور چند روزہ مادی منفعت کے لالچ اور مصالح کی امید پر، جس طرح ان دنیا داروں کی دنیا کے لیے اپنی آخرت کو تج دیتے ہیں وہ بھی کسی سے مخفی نہیں ہے۔ یہ مرعوب لوگ اس "خوئے بد" میں اس قدر راسخ ہو چکے ہیں کہ جب قیامت میں ان کو جوتے پڑیں گے تو اب بھی وہ انہی امراء اور وزراء کی طرف دوڑیں گے ان کا خیال ہوگا کہ جس طرح دنیا میں وہ ہمیں تھانے سے جا کر چھڑا لاتے تھے وہ اب بھی شاید خدا سے ہمیں چھڑا لائیں گے، جا کر کہیں گے کہ حضور! بری طرح پھنس گئے! چلیے! کوئی تدبیر کیجیے! خدا کی گرفت سے نجات دلائیے! جواب ملے گا! ہم تمہاری کیا مدد کریں، ہم بھی تمہاری طرح ہوتے کھا رہے ہیں۔

خدا کے فیصلے اٹل اور بے لاگ ہوتے ہیں، وہاں اب ہماری کوئی شنوائی نہیں ہوگی۔ مزید کہیں گے کہ ہم خود بے ایمان تھے، تمہیں کہاں سے ایمان کی دولت دیتے۔ اب جوں توں کر کے جو تے سہتے رہو۔

وَبَرَزُوا لِلّٰهِ جَمِيعًا فَقَالَ الضُّعَفٰٓؤُا لِلَّذِينَ اسْتَكْبَرُوٓا إِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا فَهَلْ أَنْتُمْ مُغْنُونَ عَنَّا مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ۚ قَالُوا لَوْ هَدٰىنَا اللّٰهُ لَهَدَيْنٰكُمْ ۖ سَوَآءٌ عَلَيْنَآ أَجَزِعْنَآ أَمْ صَبَرْنَا مَا لَنَا مِنْ مَّحِيصٍ ۝ (پ ۱۳ - ابراہیم ع ۳)

"اور (جب قیامت کے دن) سب لوگ خدا کے روبرو نکل کھڑے ہوں گے تو جو کمزور تھے وہ بڑے لوگوں سے کہیں گے کہ ہم تو تمہارے قدم بقدم چلنے والے تھے تو کیا (آج) عذاب خدا میں سے کچھ (تھوڑا سا بھی) ہم پر سے ہٹا سکتے ہو؟ وہ کہیں گے (بھئی! ہم تو خود عذاب میں مبتلا ہیں) اگر خدا ہم کو راہِ راست نصیب کرتا تو ہم تم کو بھی راہِ راست عطا کرتے (اب تو) بے صبری کریں تو، اور صبر کریں تو، ہمارے (اور تمہارے) لیے یکساں ہے۔ ہم کو (عذاب سے) کسی طرح (بھی) چھٹکارا (ممکن) نہیں۔"

پھر اس پر مزید تکرار ہوگی، یہ عوام کہیں گے کہ تم ہی نے تو ہماری راہ ماری تھی۔ اب پوچھتے بھی نہیں ہو، وہ بولیں گے کہ، یہ تمہاری بکواس ہے، تم اندھے تھے، خود سوچ لیتے، ہمارے پیچھے نہ چلتے، وہ اس پر کہیں گے، دراصل تم بڑے مکار اور شاطر تھے، سب کچھ تمہیں نے ہم سے کرایا، اب پوچھتے بھی نہیں ہو۔

وَلَوْ تَرٰىٓ إِذِ الظّٰلِمُونَ مَوْقُوفُونَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ يَرْجِعُ بَعْضُهُمْ إِلٰى بَعْضِ ۨالْقَوْلَ ۚ يَقُولُ الَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا لِلَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا لَوْلَآ أَنْتُمْ لَكُنَّا مُؤْمِنِينَ ۝ قَالَ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا لِلَّذِينَ اسْتُضْعِفُوٓا أَنَحْنُ صَدَدْنٰكُمْ عَنِ الْهُدٰى بَعْدَ إِذْ جَآءَكُمْ بَلْ كُنْتُمْ مُّجْرِمِينَ ۝ وَقَالَ الَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا لِلَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا بَلْ مَكْرُ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ إِذْ تَأْمُرُونَنَآ أَنْ نَّكْفُرَ بِاللّٰهِ وَنَجْعَلَ لَهٗٓ أَنْدَادًا ۚ وَأَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَأَوُا الْعَذَابَ (پ ۲۲ - السبا ع ۴)

"اور (اے پیغمبر) تم دیکھو جب (یہ) ظالم اپنے رب کے حضور میں (جوابدہی کے لیے) ٹھہرائے جائیں گے (اور) ایک کی بات، ایک رد کر رہا ہوگا کہ کمزور بڑے لوگوں سے کہیں گے کہ اگر تم نہ ہوتے تو ہم ضرور ہی ماننے والوں میں ہوتے (اس پر) بڑے لوگ کمزوروں سے کہیں گے کہ جب تمہارے (خدا کی طرف سے) ہدایت آئی تو کیا اس کے آنے کے بعد ہم نے تم کو (زبردستی) اس (پر عمل کرنے) سے روکا؟ بلکہ تم خود ہی کھوٹے تھے (اس پر) کمزور بڑے لوگوں سے کہیں گے (کہ زبردستی تو نہیں) مگر

رات دن کی (تمہاری) تدبیروں (سازشوں) نے (ہماری راہ ماری) کہ تم برابر ہم سے خدا (کے حکموں) کو نہ مانتے اور اس کے ساتھ شریک ٹھہرانے کو کہتے رہے۔ اور جب ان لوگوں نے عذاب کو (اپنی آنکھوں سے) دیکھ لیا (تو) چھپے چھپے پچھتانے لگے۔"

چھپے چھپے پچھتائیں گے اس لیے کہ زندگی میں جب ان عوام کو ان شاطروں کے پیچھے چلنے اور ان کے بدنتائج کا احساس کرنے کو کہا جاتا تھا تو اُلٹا باتیں بناتے اور مذاق اڑاتے تھے، یہ باتیں دراصل "طبقاتی ذہنیت" پر مبنی نہیں ہیں بلکہ اصولی ہیں کہ: انسان بکنے کی چیز نہیں، اسے بکنا نہیں چاہیے۔ اور اس کی بولی دینے والوں کو اس کی بولی دینے سے شرم آنی چاہیے اور یہ کہ انسان کو دنیا اور آخرت میں سے کسی ایک پر قناعت نہیں کرنی چاہیے بلکہ دونوں کی یکساں فکر کرنی چاہیے، مگر وہ خدائی رہنمائی کے بغیر ممکن نہیں ہوتی، اس لیے حق تعالیٰ نے اپنے صحیفوں اور پیغمبروں کے ذریعے جو رہنمائی مہیا فرمائی ہے اس کا دامن تھام کر چلنا چاہیے! ـــ یہ وہ حقائق ہیں جو طبقاتی نہیں ہو سکتے بلکہ اصولی اور صرف اصولی ہیں۔

جب وہ عوام ان بڑوں سے مایوس ہو جائیں گے تو اب ان کو خیال آئے گا کہ ان بڑوں کا بڑا بھی شیطان ہی تھا، ہو سکتا ہے کہ جو دنیا میں سارے داؤ پیچ کے الہامات کی بارش کیا کرتا تھا، اب بھی شاید اسے کچھ سوجھ پائے اور کسی طرح ہمیں عذاب سے بچالائے:

وَقَالَ الشَّيْطٰنُ لَمَّا قُضِيَ الْاَمْرُ اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ وَوَعَدْتُّكُمْ فَاَخْلَفْتُكُمْ

(پ ۱۳ - ابراھیم ع ۴)

"اور جب (آخری) فیصلہ ہو چکے گا (اور لوگ شیطان کو الزام دیں گے) تو شیطان کہے گا کہ خدا نے تم سے سچا وعدہ کیا تھا (سو اس نے پورا کیا) اور وعدہ تم سے میں نے بھی کیا تھا مگر میں نے تمہارے ساتھ وعدہ خلافی کی۔"

پھر یہ اس کو کوسنا شروع کریں گے کہ اگر آپ کا یہ حال تھا تو ہمیں پھر غلط راہ پر کیوں ڈالا اور اپنے پیچھے چلنے کو کیوں کہا تو وہ جواب دے گا۔

وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّآ اَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِيْ فَلَا تَلُوْمُوْنِيْ وَلُوْمُوْٓا اَنْفُسَكُمْ مَآ اَنَا بِمُصْرِخِكُمْ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُصْرِخِيَّ اِنِّيْ كَفَرْتُ بِمَآ اَشْرَكْتُمُوْنِ مِنْ قَبْلُ (پ ۱۳ - ابراھیم ع ۴)

"اور تم پر میری کچھ زبردستی تو نہیں تھی، بات تو اتنی تھی کہ میں نے تم کو (اپنی طرف) بلایا اور تم نے

(اپنی خوشی سے) میرا کہنا مان لیا تو اب مجھے الزام نہ دو، بلکہ اپنے آپ کو کوسو (بس آج) تو نہ میں تمھاری فریاد کو پہنچ سکتا ہوں اور نہ تم میری فریاد کو پہنچ سکتے ہو۔ میں تو اس سے مانتا ہی نہیں کہ تم مجھ کو اس سے پہلے (دنیا میں) شریک (خدا) بناتے تھے۔

نافرمانوں کی اس گفتگو سے ایک بات یہ بھی سامنے آتی ہے کہ: یہاں کے یارانے اور دلچسپیاں آخرت تک ساتھ جائیں گی۔ آخری شکل میں بھی یہ برے لوگ اپنے برے یاروں کی طرف ہی دوڑیں گے، گویا کہ اس طرح بھی وہ لوگ وہاں ننگے ہو جائیں گے کہ: ان کے یار کون اور کیسے لوگ اور ان کی دلچسپیوں کا محور کس قماش کے جھتے تھے؟

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے، دوست بناتے وقت دیکھ لیا کرو کہ جس کو دوست بنا رہے ہو، وہ کیسا ہے؟ کیونکہ اس کا رنگ لازمی چڑھ جاتا ہے۔

عن ابی ھریرۃؓ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم المرء علی دین خلیلہ فلینظر احدکم من یخالل (رواہ الترمذی وقال: حسن)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بالکل بجا ہے، واقعی دوست کا رنگ دوست پر اور یارانوں کا بڑا گہرا رنگ چڑھتا ہے، بعض رنگ تو قبر اور حشر تک جاتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ قیامت میں جب مشکل پیش آئے گی تو اس وقت وہ اپنے انہی یاروں کی طرف دوڑیں گے، جن کی طرف دنیا میں جایا کرتے تھے، ظاہر ہے کہ اب اس کے نتائج برے ہی نکلیں گے۔ خدا کا دربار، دورِ حاضر کے تھانوں اور رسہ گیروں کا دربار نہیں ہوگا کہ وہاں اب بھی برے اور رسہ گیر لوگ ہی بار پائیں۔

بہرحال یہاں سے بھی منہ کی کھائیں گے، یہاں تک کہ اپنے جس طاغوت اور تن و توش کے لیے اس نے یہ ساری نافرمانیاں کیں، وہ بھی اب سب کچھ خدا ہی سے کہہ سنائیں گے کہ اس کے کیا کرتوت تھے۔

اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰٓى اَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَآ اَيْدِيْهِمْ وَتَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ (پ۲۳۔ یٰس ع۴)

"آج ہم ان کے منہ پر مہر لگا دیں گے اور جیسے کرتوت یہ لوگ کرتے رہے تھے ان کے ہاتھ ہم کو سب کہہ سنائیں گے اور ان کے پاؤں بھی گواہی دیں گے۔"

بلکہ ایک ایک رونگٹا گواہی دے گا:

حَتّٰٓى اِذَا مَا جَآءُوْهَا شَهِدَ عَلَيْهِمْ سَمْعُهُمْ وَاَبْصَارُهُمْ وَجُلُوْدُهُمْ بِمَا كَانُوْا

یَعْمَلُوْنَ (پ۲۴ - حٰمٓ السجدۃ ع۳)

"یہاں تک کہ جب وہ دوزخ پر آجمع ہوں گے تو جیسے جیسے عمل یہ لوگ کرتے رہے ہیں، ان کے کان اور ان کی آنکھیں اور ان کے (گوشت) پوست ان کے مقابلے میں (ان کے عملوں کی) گواہی دیں گے۔"

اب غلط کار لوگ اپنے بڑوں اور شیاطین کے بعد اپنے اعضا پر ٹوٹ پڑیں گے کہ تمہیں کیا ہوا تم نے ہمارے خلاف کیوں گواہی دی۔

وَقَالُوْا لِجُلُوْدِهِمْ لِمَ شَهِدْتُّمْ عَلَيْنَا ۭ قَالُوْٓا اَنْطَقَنَا اللّٰهُ الَّذِيْٓ اَنْطَقَ كُلَّ شَيْءٍ

(پ۲۴ - حٰمٓ السجدۃ ع۳)

"اور یہ لوگ اپنے (گوشت) پوست سے پوچھیں گے کہ (بھلا) تم نے ہمارے خلاف کیوں گواہی دی؟ وہ بولیں گے کہ جس (خدا) نے ہر چیز کو گویا کیا ہے اسی نے ہم کو بھی گویا کیا ہے۔"

اب دوزخ کے داروغہ کی طرف رجوع کریں گے اور کہیں گے کہ اپنے رب سے ہمارے لیے تخفیف عذاب کی سفارش کیجیے!

وَقَالَ الَّذِيْنَ فِي النَّارِ لِخَزَنَةِ جَهَنَّمَ ادْعُوْا رَبَّكُمْ يُخَفِّفْ عَنَّا يَوْمًا مِّنَ الْعَذَابِ

(پ۲۴ - المومن ع۶)

"اور جو لوگ دوزخ میں ہوں گے وہ دوزخ کے مؤکلوں سے درخواست کریں گے کہ (تم ہی) اپنے رب سے عرض کرو کہ (بھلا) کسی دن (تو) ہم (پر) سے عذاب ہلکا کر دیا کرے۔"

قَالُوْٓا اَوَلَمْ تَكُ تَاْتِيْكُمْ رُسُلُكُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۭ قَالُوْا بَلٰى ۭ قَالُوْا فَادْعُوْا ۭ وَمَا دُعٰٓؤُا الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ (ایضاً)

وہ جواب دیں گے، کیا تمہارے پاس تمہارے رسول روشن دلائل (اور معجزے) لے کر نہیں آتے رہے؟ وہ کہیں گے، ہاں! (آتے تو رہے تھے اس پر) وہ (مؤکل) کہیں گے کہ پھر تو تم (آپ ہی) عرض معروض کرلو اور اس دن منکرین (حق) کا عرض معروض رائیگاں (ہی) جائے گا۔"

کہتے ہیں، جب نائی (حجام) نکے بیٹھتے ہیں تو وہ ایک دوسرے کا سر ہی مونڈتے ہیں۔ جب وہ ہر طرف سے مایوس ہو کر دوزخ میں پڑیں گے تو ایک دوسرے پر لعنتیں کرنے لگیں گے، یہ اس کو کہے گا کہ تجھ پر لعنت، وہ اس سے کہے گا کہ تم پر لعنت۔

كُلَّمَا دَخَلَتْ اُمَّةٌ لَّعَنَتْ اُخْتَهَا (پ۸ - اعراف ع۵)

الٰہی! ہم نے ان رؤساء اور بڑوں کی اطاعت کی اور وہ ہمیں لے ڈوبے ان کو دُگنا عذاب دے

اور ان پر لعنتوں کی بارش کر۔

قَالُوْا رَبَّنَآ اِنَّآ اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَآءَنَا فَاَضَلُّوْنَا السَّبِيْلَا ۝ رَبَّنَآ اٰتِهِمْ ضِعْفَيْنِ مِنَ الْعَذَابِ وَالْعَنْهُمْ لَعْنًا كَبِيْرًا (پ ۲۲۔ احزاب ع ۸)

"لیکن اس سے بھی ان کا دل نہیں بھرے گا، پھر کہیں گے، الٰہی! ان کو ہمارے حوالے کیجیے! تاکہ ہم ان کو اپنے پیروں تلے مسلیں، جتنے وہ بڑے بنے، اتنے ان کو نکو کر کے ماریں۔

رَبَّنَآ اَرِنَا الَّذَيْنِ اَضَلّٰنَا مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ نَجْعَلْهُمَا تَحْتَ اَقْدَامِنَا لِيَكُوْنَا مِنَ الْاَسْفَلِيْنَ (پ ۲۴۔ حم السجدہ ع ۴)

اگر وہ ان کو پاؤں میں مسلیں بھی تو اس سے ان کا عذاب تو ہلکا نہیں ہوگا۔ صرف اتنا ہوگا کہ غصے کی آگ کم ہو جائے گی۔ اس لیے سوچیں گے کہ اس سے کسی طرح چھٹکارا ملے۔ سوچ سوچ کر کہیں گے کہ میں نے جتنی بے ایمانیاں کیں تنہا اپنی ذات کے لیے تھوڑی کی تھیں، اپنے گھر بار کے لیے ہی کی تھیں، اب خدا سے کہتا ہوں کہ، مجھے چھوڑ دیجیے، میں اپنے عوض ان کو پیش کرتا ہوں۔

يَوَدُّ الْمُجْرِمُ لَوْ يَفْتَدِيْ مِنْ عَذَابِ يَوْمِئِذٍ بِبَنِيْهِ ۝ وَصَاحِبَتِهٖ وَاَخِيْهِ ۝ وَفَصِيْلَتِهِ الَّتِيْ تُؤْوِيْهِ ۝ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ثُمَّ يُنْجِيْهِ (پ ۲۹۔ المعارج ع ۱)

"مجرم آرزو کرے گا کہ اے کاش! اپنے بیٹوں اور اپنی جورو اور اپنے بھائی اور اپنے (سالے) کنبے کو جو اس کو پناہ دیا کرتا تھا اور (روئے) زمین کے تمام آدمیوں کو اس دن کے عذاب کے بدلے میں دے دے اور یہ (معاوضہ) اس کو بچا لے"۔

الغرض: اگر اب کچھ ہوش نہیں کیا تو کل کسی کو کوسنے سے کچھ نہیں بنے گا اور نہ ہی یہ عذر کچھ کام آئے گا کہ مجھے فلاں نے گمراہ کیا تھا، یا فلاں مجبوری کی وجہ سے مجھ سے یہ گناہ سرزد ہو گیا تھا، خاص کر جن بااثر لوگوں کے پیچھے لگ کر آپ نے غلط راہ اختیار کی یا اسلامی نظام کے قیام میں آپ کا ووٹ رکاوٹ بنا اور آپ نے اپنی غلط روش کی وقت پر تلافی نہ کی تو پھر یقین کیجیے! قیامت آپ کے لیے قیامت بن جائے گی۔

ترمذی شریف مع اردو ترجمہ ترمذی شریف مترجم از علامہ بدیع الزمان صاحب برادر اکبر علامہ وحید الزمان صاحب رحمۃ اللہ علیہ، ایک طرف احادیث اعراب کے ساتھ بالمقابل سلیس اردو ترجمہ، ہر حدیث کے نیچے نہایت شاندار شرح جو کہ ایک عالم اور عام آدمی کے لیے یکساں مفید ہے، کاغذ سفید گلیز سنہری دائمی دار جلد۔ علاوہ ازیں عربی، اردو، دینی کتابیں خریدنے اور بھیجنے کے لیے ہمیں یاد فرمائیں۔

رحمانیہ دار الکتب۔ امین پور بازار۔ لائلپور

السنۃ والحدیث

عزیز زبیدی۔ واربرٹن

یقین کیجیے: یہ بھری جیبیں اور وہ بھاری توندیں کچھ نہیں

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال انہ لیاتی الرجل العظیم السمین یوم القیٰمۃ لا یزن عند اللہ جناح بعوضۃ۔ (بخاری۔ مسلم)

"فرمایا: قیامت میں ایک موٹا بھاری بھرکم شخص آئے گا، جس کی خدا کے ہاں مکھی کے پر کے برابر بھی قیمت نہیں ہوگی"!

دولت کی فراوانی کا نشہ صرف "سلیمانی" حوصلہ سہار سکتا ہے، یہ سب کے بس کا روگ نہیں ہے عموماً یہ بھری جیبیں اور وہ بھاری توندیں، وہاں سب سے بڑا فتنہ ثابت ہوں گی۔ خدا کے ہاں بات جیب اور توند کی نہیں ہے، صرف دل اور دماغ کی ہے؛ کہ ان پیمانوں میں کون سی شراب بھری ہے روحانی یا عیاشی کی، پہلی ہے تو بیڑا پار ورنہ پھر خدا حافظ۔

ایک دفعہ حضور تشریف فرما تھے کہ پاس سے ایک شخص گزرا، آپ نے پاس بیٹھے ہوئے ایک صحابی سے پوچھا کہ اس کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ عرض کی:۔

یہ بڑے لوگوں میں سے ہے، نکاح کی خواہش کرے تو ہو جائے! سفارش کرے تو قبول کر لی جائے، اس کے بعد ایک اور صاحب گزرے، پھر اس کے بارے میں پوچھا تو کہا:

یہ ایک غریب مسلمان ہے، نکاح کی درخواست کرے تو رشتہ نہ ملے۔ بات کرے تو سنی نہ جائے سفارش کرے تو قبول نہ ہو، آپ نے سن کر فرمایا:۔

جس کو آپ نے بڑے لوگ کہا ہے، اگر ان جیسوں سے ساری زمین بھری ہو تو پھر بھی یہ فقیر بندہ اس سے کہیں بہتر ہے:

عن سھل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال مر رجل علی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فقال لرجل عندہ جالس: ما رایک فی ھذا؟ فقال:

رجل من اشراف الناس، ھذا واللہ حری ان خطب ان ینکح وان شفع ان یشفع فسکت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، ثم مر رجل فقال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

ما دا یك فی هذا فقال یا رسول الله هذا رجل من فقراء المسلمین هذا احری ان خطب ان لا ینکح وان شفع ان لا یشفع وان قال ان لا یسمع لقوله فقال رسول الله صلی الله علیہ وسلم:

هذا خیر من ملأ الارض مثل هذا (بخاری)

اصل وزن اور قیمت، کردار اور نظریے کی ہے، باقی رہا گوشت پوست اور دھن دولت یا خاندان و سوان کی ترازوں میں آدمیت کا تلنا، آدمیت کی توہین ہے۔

دنیا جائز طریقے سے کمانا برا نہیں، ان کے نشہ کی مستی کا ہضم کرنا مشکل ہے، اگر کوئی بایں تخت و تاج اور دولت فراواں اس کے نشہ کو ہضم کر لیتا ہے تو یہ سلیمانی ہے، مبارک ہے، تاہم اس کے حساب کی طوالت کی وجہ سے بہشت میں داخلہ کی باری نسبتاً دیر سے آئے گی جیسا کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے بارے میں آیا ہے۔

دھن دولت اور جاگیر کی منی اگر بدمست کر دیتی ہے تو وہ قارونیت ہے، اگر سیاسی طاقت کی بدمستی نے انسانیت کو بوجھل بنا دیا ہے تو وہ فرعونیت ہے، جو انسان اور اس کے ایمان کو بیچ کھاتے ہیں، اس لیے اگر ایک انسان کسی بُرے شخص کو محض ان کی مادی طاقت اور جاہ و حشمت کی وجہ سے "چوہدری صاحب" "میاں صاحب" "ملک صاحب" اور "خان صاحب" کہہ کر پکارتا ہے تو اسلام ایسے انسان کی اس عزت افزائی کو مستحسن تصور نہیں کرتا۔

عن بریدۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لا تقولوا المنافق "سیدا" فانه ان یك سیدا فقد اسخطتم ربکم عز وجل (نسائی)

فرمایا: منافق کو "آقا، چوہدری وغیرہ معزز القاب" سے نہ پکارا کرو، اگر ایسا انسان سچ مچ (تمہارا) آقا ہے تو پھر تو تم نے رب کو ناراض کر دیا۔"

اس سے معلوم ہوا کہ جو قوم بے دین لوگوں کے اقتدار پر قناعت کرتی یا ا سے اقتدار اور حکمرانی مہیا کرتی ہے وہ دراصل رب کو ناراض کرتی ہے۔ ایسے شخص کو "سرداری کا تاج" مہیا کرنا تو بڑی بات ہے، حضورؐ فرماتے ہیں اس کی جو شخص تعریف کرتا ہے اس سے بھی عرشِ الٰہی لرز جاتا ہے۔

اذا مدح الفاسق اهتز له العرش او کما قال (مشکوٰۃ)

اس لیے غیر محتاط اور دنیا دار حکمرانوں کے قرب کو اسلام نفرت کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔

من اتی السلطان افتتن (رواہ الترمذی)

"جو شخص حکمران کے پاس پہنچا، فتنہ میں پڑ گیا۔"

من لزم السلطان افتتن وما ازداد عبد من السلطان دنوا الا ازداد من اللہ بعدا

(ابو داؤد)

"جس شخص نے سلطان کی صحبت اختیار کی وہ فتنہ میں پڑا۔ جو شخص جتنا بادشاہ کے قریب ہوتا جاتا ہے اتنا ہی وہ خدا سے دور ہوتا جاتا ہے۔"

فرمایا کہ برے کیریکٹر والے انسان پر مال و دولت کی بارش دیکھ کر رشک نہیں کرنا چاہیے، کیونکہ آپ نہیں جانتے کہ کل اس کا کیا حشر ہوگا۔

لا تغبطن فاجرا بنعمتہ فانك لا تدری ما ھولاق بعد موتہ ان لہ عند اللہ قاتلا لا یموت یعنی النار (مشکوٰۃ)

ان گزارشات سے غرض یہ ہے کہ: دنیا میں، لوگ، اہل دنیا اور حکمرانوں کے پیچھے یوں دوڑ رہے ہیں کہ ان کو سر پیر کا ہوش نہیں ہے، اور بندگانِ خدا ان کو آوازیں دے رہے ہیں کہ: جس راہ پر تم سرپٹ گھوڑے دوڑا رہے ہو وہ راہ مکہ مدینہ نہیں جاتی بلکہ وہ شیطان سے شروع ہوتی ہے اور آخرت پر ختم ہوتی ہے، اس سے پرے یا ورے ان کے سامنے خدا ہے نہ رسول ــــ اس لیے اگر دنیا کے ساتھ آخرت بھی چاہتے ہو، تو بے خدا دنیا داروں کے پیچھے نہ دوڑو بلکہ با خدا لوگوں کو آگے لاؤ تاکہ تمہاری دنیا اور آخرت دونوں سلامت رہیں۔

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی

چند اہم تصنیفات

تاریخ دعوت عزیمت اول دوم، سوم کامل سیٹ	۲۱/- روپے	نقوشِ اقبال	۱۵/- روپے
پرانے چراغ	۲۴/- روپے	اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش	۱۲/- "
انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر	۲۶/- روپے	مغرب سے صاف صاف باتیں	۱۰/- "
کاروان مدینہ	۱۲/- روپے	منصب نبوت	۱۸/- "

آج ہی منگوائیں ورنہ دوسرے ایڈیشن کا انتظار کرنا پڑے گا۔

مجلس نشریاتِ اسلام۔ ناظم آباد ۱۔ کراچی ۱۸

دارالافتاء

عزیز زبیدی ۔ واربرٹن

استفتا

غضِ بصراور پردہ ، دوسری رکعت وتر میں تشہد ، امام مقیم اور مقتدی مسافر

قاضی عبدالقدیر صاحب گوجرانوالہ سے لکھتے ہیں کہ :-

۱۔ جب غض بصر کا حکم ہے تو پھر پردہ کی کیا ضرورت ؟

۲۔ وتروں کی دوسری رکعت میں تشہد ہونا چاہیے یا نہیں ؟

۳۔ مقیم امام کے پیچھے تشہد کے وقت مقتدی مسافر آ کر شامل ہو تو وہ قصر کرے یا پوری پڑھے ؟

الجواب

غضِ بصر اور پردہ ۔ غض بصر (آنکھیں نیچی رکھنے) کا حکم دونوں کو ہے مردوں کو بھی اور عورتوں کو بھی ۔

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ (سورۃ نور ع)

وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ (پ ۔ نور ع)

حجاب اور پردہ کا مزید حکم صرف عورتوں کو ہے ، کیونکہ عورت پری خانہ ہے شمع محفل نہیں ہے اسے کبھی کبھار ہی باہر نکلنا ہوتا ہے ، اس لیے اس کے لیے اس کی پابندی نسبتہً آسان ہے ۔

يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ (پ ۲۲ ۔ احزاب ع)

غضِ بصر ۔ غض بصر کا ایک مفہوم تو وہی ہے جو اوپر بیان کیا گیا ہے ، دوسرا یہ ہے کہ : اپنی بیوی کے علاوہ ، اور کسی بھی عورت کو گہری نظر سے نہیں دیکھنا چاہیے ۔ کیونکہ نظریں گاڑ کر دیکھنے سے ، نگاہ کی معصومیت ، طہارت ، اور فطری حجاب کا بے ساختہ پن مضمحل ہو جاتا ہے ۔ آنکھوں کے سامنے اس منزل کی راہیں کشادہ ہونا شروع ہو جاتی ہیں ۔ اور آنکھوں سے دور ، حود نیا ہوتی ہے ، اس کے تجسس کے لیے ایک ساز گار داعیہ فراہم ہو جاتا ہے ۔

بہر حال اس کے لیے مزید پردہ باغ نسوانیت کی فطری پنکھڑیوں کے لیے ایک سادہ سی باڑ مہیا دیتا ہے ، اگر کوئی اس کی تقدیس کو ملحوظ رکھنے میں کامیاب ہو جائے تو ضرور رنگ لاتا ہے ۔

اس کے علاوہ مجموعی لحاظ سے عورت کا سراپا دعوتِ مطالعہ دیتا ہے اور بہت بڑے فتنوں کا پیش خیمہ بن جاتا ہے، مرد کی یہ کیفیت نہیں ہے، اس لیے پردہ صرف عورت کے لیے چاہیے۔

غض بصر کی پابندی مومن ہی کر سکتا ہے، غیر مسلم کا کون ذمہ دار ہے، اس لیے ہمارے لیے جتنی احتیاط ممکن ہے کر گزرنا چاہیے۔

بہ نسبت عورت کے مرد زیادہ شکاری ہے، اس لیے سدِ باب کے طور پر عورت سے حجاب کی مزید سفارش کی گئی ہے۔ کیونکہ عورت بہرحال اوٹ ڈھونڈتی ہے یہ اس کا فطری داعیہ ہے۔

مومن بھی ہو تو عموماً غض بصر کے فریضہ کی پرواہ نہیں کرتے لیکن اپنی طبعی اور فطری شرم وحیا کی وجہ سے اور کچھ مردوں کی غیرت کی بنا پر عورت کے لیے حجاب کرنا اس کا طبعی داعیہ بن گیا ہے۔ الا یہ کہ اس کی نسوانیت مسخ ہو گئی ہو۔

یہ تو وہ باتیں ہیں جو ہم صرف ان لوگوں کے لیے کرتے ہیں جو خدا اور رسول کی باتوں پر مطمئن نہیں ہوتے لیکن ہمارے لیے اس کی سب سے بڑی حکمت اور فلسفہ صرف خدا کا فرمان اور رسول کا ارشاد ہے۔ پردہ اور غض بصر کے جو دواعی ہم نے بیان کیے ہیں، ان میں سے اگر ایک بھی باقی نہ رہے تب بھی ہم یہی کہیں گے کہ غض بصر اور پردہ ہونا چاہیے، کیونکہ یہی ہمارے مالک اور آقا کی مرضی ہے۔

ع اللہ بس، باقی ہوس

باقی رہی پردہ کی نوعیت؟ سو وہ اپنے اپنے حالات کے مطابق تجویز اور تشخیص کی جا سکتی ہے، برقع جنھوں نے جن حالات میں تجویز کیا تھا، وہ بجا تھا اور وہ اب بھی کفایت کرتا ہے، اب تک اس کی متبادل دوسری کوئی صورت سامنے نہیں آئی۔ ہاں ان برقعوں نے ترقی یافتہ مزید جو شکل پیش کی ہے ہمارے نزدیک انھوں نے عورتوں کو چھپایا کم ہے، نمایاں زیادہ کر دیا ہے، اتنے بھڑکیلے اور شوخ برقعے؟ الامان والحفیظ! بہرحال ہم ان برقعوں کے حق میں نہیں ہیں اور نہ ہم ان کو شرعی حجاب تصور کر سکتے ہیں، کیونکہ انھوں نے سرمی برقعوں کی احادیث کو الٹا غارت کر ڈالا ہے لیکن اس کے باوجود ہم اس کے حق میں نہیں ہیں کہ وہ یہ بھی اتار پھینکیں، مالا یدرک کلہ لا یدرک کلہ۔ بلکہ ان کو برقعوں کی شرعی حیثیت سمجھا کر ان کو ان کے موجودہ برقعوں کی بے برکتی سے آگاہ کرنے کی کوشش کی جائے کیونکہ ان حالات میں ہمارے لیے اس کے سوا کوئی چارہ ہی نہیں ہے۔

پردہ کی ایک تشکل رواجی بھی ہے، اور جو لوگ پردہ کو ایک بجا شرعی ضرورت تصور کرتے ہیں ان میں بھی عموماً یہی رواجی پردہ رواج پا گیا ہے۔ شرعی پردہ ان کے ہاں بھی شاذ و نادر ہے۔

شرعی پردہ یہ ہے کہ ہر اس شخص سے حجاب کیا جائے، جس کے نکاح میں وہ عورت آسکتی ہے، اسی طرح ایسے لوگوں سے خلوت میں بیٹھنے سے بھی پرہیز ہونا چاہیے کیونکہ یہ بات "روحِ پردہ" کے منافی ہے۔ مگر اب ہوتا یہ ہے کہ، برادری سے کوئی پردہ نہیں۔ دوسروں سے پردہ ہوتا ہے۔ کہیں یہ بھی دیکھنے میں آتا ہے کہ واقف سے پردہ کیا جاتا ہے اور ناواقف سے نہیں ۔۔۔ بہر حال "شرعی پردہ" کو سمجھنے کی کوشش کی جائے اور غضِ بصر کی حقیقت کو سامنے رکھا جائے تو ہم کم از کم غیر مسلم دنیا کے سامنے ایک مثالی نمونہ پیش کر سکتے ہیں اور اندرونی طور پر بھی ہم روحانی عافیتوں سے ہمکنار ہو سکیں گے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

وتروں میں تشہد۔ وتر دراصل "قیام الیل" (تہجد) کا حصہ ہے۔ بعد نماز عشا پڑھنے کی گنجائش صرف اس لیے رکھی گئی ہے کہ ہمارے جیسے لوگ جو تنہائیوں میں رب کے حضور قیام اور مناجات کا ذوق نہیں رکھتے یا صرف فقہی اور نماز کے سلسلے کے صرف آئینی تقاضے سے عہدہ برآ ہو کر گھر کو بھاگنے سے دلچسپی رکھتے ہیں وہ بھی گزارہ کرلیں۔

عن جابر قال سمعت رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم : من خاف ان لا یقوم من اٰخر اللیل فلیوتر اوله ومن طمع ان یقوم اٰخره فلیوتر اٰخر اللیل، فان صلوٰة اٰخر اللیل مشهودة وقال ابو معاویة محضورة (مسلم ص۲۵۸)

دن کی نماز مغرب کی طرح طاق رکعتوں پر منتہی ہوتی ہے، اسی طرح کوشش کی گئی ہے کہ "بندہ مومن" کی رات کی نماز بھی وتر کی طاق رکعتوں پر ختم ہو! تاکہ توحید کا تصور سدا تازہ اور جوان رہے اور ذہن اس امر میں راسخ ہو جائے کہ جسے چاہنا، جس کے لیے یکسو رہنا اور جس ذاتِ واحد کی منشا کو زندگی کے ہر مرحلے میں ملحوظ رکھنا ہے، وہ صرف "واحد، ایک، تنہا اور یکتا" ہے۔ اس تصور سے انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی مختلف جہتوں میں تقسیم ہونے سے بھی بچ جاتی ہے اور اپنے شیرازہ کو مجتمع رکھنے میں بھی کامیاب رہتی ہے۔ اور یہ وہ اسلوبِ حیات ہے جس سے "بندۂ حنیف" کی تخلیق اور تعمیر ہوتی ہے اور وہ "وَاتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا" کے ساحل سے ہم کنار ہونے کی توفیق سے انسان کو ہمکنار بھی رکھتا ہے۔ چونکہ اس کے لیے زیادہ ساز گار فضا مغرب یا دن کے بجائے رات کی تنہائیاں ہوتی ہیں، اس لیے اسے حتی الامکان "لمبا" رکھنے کی کوشش کی گئی ہے۔ لمبا بھی "سو سو کر یا بیٹھ بیٹھ کر" نہیں بلکہ "قیام کر کر کے اور کھڑے ہو ہو کر" کیونکہ یہ وقت "دم" لینے کا نہیں، تازہ دم ہو کر الرٹ (ELERT) رہنے کا ہے۔

یہ اسی لمبے قیام کا نتیجہ تھا کہ حضورؐ کے پاؤں سوج جاتے اور پھٹ جاتے تھے۔

ان کان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یقوم ویصلی حتی ترم قدماہ او ساقاہ (بخاری ص۱۵۲)

اگر قدم قدم پر تشہد کی نوبت آتی تو یہ نوبت نہ آتی۔

مگر اس میں بشری ہمت اور قدرتی طاقت کو بھی ایک حد تک ملحوظ رکھنے کا اہتمام کیا گیا ہے، تاکہ یہ تکلیف "تکلیف مالا یطاق" نہ بن جائے ۔۔۔ اور یہ سب امور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس مبارک تعامل میں مشاہدہ کیے جا سکتے ہیں جو وتروں کے سلسلے میں احادیث پاک میں محفوظ ہو گیا ہے، نمازی کے طبعی نشاط کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس کی متعدد شکلیں پیش کی گئی ہیں، جس کے لیے جو آسان ہو، اسے کر لے۔

ایک، تین اور پانچ وتروں تک تو ایک ہی تشہد رکھا گیا ہے، کیونکہ اتنا لمبا قیام کرنا انسان کے لیے ممکن ہے۔ تھوڑی بہت جو گرانی پیدا ہو سکتی ہے، اسے رکوع و سجود جیسی نقل و حرکت کے ذریعے آسانی کے ساتھ کنٹرول کیا جا سکتا ہے۔

ایک رکعت۔ تہجد کی متعدد رکعتوں کے بعد ایک رکعت وتر پڑھ لیتے تھے۔

عن عائشۃ زوج النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قالت کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصلی ..... احدی عشر رکعۃ یسلم بین کل رکعۃ ویوتر بواحدۃ (مسلم ص۲۵۴ ج۱)

"حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم گیارہ رکعت تہجد پڑھتے، ہر دوگانہ پر سلام پھیرتے اور ایک رکعت وتر پڑھتے تھے۔"

تین رکعت۔ عن عائشۃ قالت کان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یوتر بثلٰث لا یقعد الا فی اٰخرھن (رواہ الحاکم فی المستدرک ص۳۰۴ ج۱۔ تحفۃ الاحوذی ص۳۳۹ ج۱)

"حضور صلی اللہ علیہ وسلم تین رکعت وتر پڑھتے، تشہد صرف آخر میں بیٹھتے، پہلے نہیں بیٹھتے تھے۔"

بعض روایات میں "لا یقعد" کی جگہ "لا یسلم" آیا ہے، لیکن یہ مستدرک کے نسخوں کے اختلاف کا نتیجہ ہے، حضرت امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے تصریح کی ہے کہ صحیح "لا یقعد" ہے "لا یسلم" نہیں۔

ولکن البیہقی قد صرح فی المعرفۃ بان حدیث عائشۃ من طریق ابان بلفظ "لا یقعد" کما سیاتی فالصواب فی ھذہ الروایۃ لا یقعد دون لا یسلم (تعلیق التعلیق علی التعلیق الحسن للنیموی ص۱۶۵)

لا یقعد کی یہ تاویل کہ تشہد کے لیے تو بیٹھتے تھے، سلام کے لیے نہیں بیٹھتے تھے۔

۱؎ زیلعی کے علاوہ دوسرے لوگوں نے "لا یقعد" نقل کیا ہے، خود زیلعی نے بھی اسی کتاب میں "لا یقعد" ہی نقل کیا ہے۔ مگر مستدرک کے تازہ مطبوعہ اور بعض نسخوں میں "لا یقعد" کی جگہ "لا یسلم" ہے۔

وعلی تقدیر کونه محفوظا یحمل نفی القعود علی القعود الذی فیه التسلیم جمعا بین الاحادیث (التعلیق الحسن ص۱۱)

یہ تاویل "قعود" کے حقیقی معنی کے خلاف ہے جو کسی یقینی داعیہ کے بغیر لینا جائز نہیں ہے۔

حضرت عمرؓ۔ یہی طریقہ حضرت عمرؓ کا تھا اور انہی سے یہ طریقہ اہلِ مدینہ نے اخذ کیا تھا:

وھٰذا وتر امیر المومنین عمر بن الخطاب وعنه اخذه اهل المدینة رحاکم۔ تحفة الاحوذی ص۳۴۶)

پانچ رکعت جب پانچ رکعت وتر پڑھتے تو صرف آخر میں تشہد بیٹھتے، پہلے نہیں:

عن عائشة قالت کان رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم یصلی من اللیل ثلث عشرة رکعة یوتر من ذلك بخمس لا یجلس فی شیء الا فی اخرهن (رواه مسلم ص۲۵۴)

جب آپ سات یا نو رکعت وتر پڑھتے تو پھر چھٹی اور آٹھویں رکعت پر تشہد کے لیے ضرور بیٹھتے، کیونکہ اب یہ قیام کافی طویل ہو جاتا ہے۔ اس لیے درمیان میں ایک دفعہ اور تشہد بڑھا دیا تاکہ متحمل رہے۔

سات رکعت جب آپ بوڑھے ہو گئے تو سات رکعتیں پڑھتے، صرف چھٹی رکعت اور ساتویں میں تشہد کے لیے بیٹھتے۔

عن عائشة قالت لما اسن رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم واخذ اللحم صلی سبع رکعات لا یقعد الا فی اخرهن الحدیث (نسائی ص۲۵۰)

بعض روایات میں "لا یقعد الا فی اٰخرهن" آیا ہے، امام شوکانی فرماتے ہیں کہ اس سے مراد ایسا قعدہ ہے، جس میں سلام پھیرا جائے۔ یہاں اس کی نفی ہے۔

یمکن الجمع بحمل النفی للقعود فی الروایة الثانیة علی القعود الذی یکون فیه التسلیم (نیل الاوطار ص۳۳ ج۳)

ہم کہتے ہیں کہ اسے بھی مختلف احوال اور واقعات پر محمول کیا جائے تو آخر اس میں استحالہ کیا ہے، جب کئی ایک رکعتیں ایک ہی قعدہ سے اور جگہ ثابت ہیں، اگر یہاں بھی اس کے لیے گنجائش تسلیم کر لی جائے تو کیا حرج ہے؟ ہم بہرحال متداول مذاہب کی مجوزہ ڈگر کے سوا اس سلسلے میں اور کوئی شرعی مجبوری نہیں جانتے۔ اگر تطبیق کی یہ صورت منظور نہیں اور اس کا کوئی اور شرعی داعیہ موجود ہے تو پھر "ترجیح" کی راہ اختیار کرنی چاہیے۔ جو راجح ہو اسے قبول کیا جائے، مرجوح کو ترک کر دیا جائے۔

نو رکعت جب نو رکعتیں پڑھتے تو صرف آٹھویں اور نویں رکعت میں تشہد کے لیے بیٹھتے:

عن عائشة ... فقالت ...... ویصلی تسع رکعات لا یجلس فیها الا فی الثامنة

الحدیث (مسلم ص۲۵۶ ج۱)

زیادہ تر روایات حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی صرف اس لیے پیش کی ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دعوے سے فرمایا تھا کہ: روئے زمین پر حضورؐ کا وتروں کا راز دان حضرت عائشہ سے بڑھ کر اور کوئی نہیں ہے۔ (مسلم ص۲۵۶ ج۱) ورنہ اس سلسلے کی روایات دوسرے صحابہؓ سے بھی کثرت سے مروی ہیں۔

ان حقائق کی تائید اس امر سے بھی ہوتی ہے کہ قیام اللیل (تہجد) میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاؤں مبارک پر ورم آجاتا اور وہ پھٹ جاتے تھے۔ ان کان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لیقوم ویصلی حتی تذم قدماہ او ساقاہ (بخاری ص۱۵۲ ج۱)

اگر وتروں میں تشہد کی یہ بھرمار ہوتی تو یقیناً قدموں اور پنڈلیوں کی یہ حالت نہ ہوتی۔

یہ ساری تفصیل اس لیے بیان کی ہے کہ دوسری رکعت میں تشہد نہ بیٹھنا اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے جو اوپر بیان کی گئی ہے تاکہ آپ کو اصل وہ بات سمجھ میں آجائے، جو وتروں کی دوسری رکعت میں تشہد نہ بیٹھنے کی محرک ہے، کہ پانچ تک، قیام ہی قیام اور تشہد کا کہیں بھی نام کیوں نہیں اور سات سے نو تک جب نوبت پہنچی تو پھر ایک ایک تشہد مزید بڑھا دیا۔ وجہ؟ صرف اس لیے کہ پانچ تک تشہد کے بغیر لمبا قیام متحمل ہوتا ہے، مگر اس کے بعد نمازی کی طبعی نشاط متاثر ہونے لگ جاتی ہے اس نشاط کو برقرار رکھنے کے لیے ایک تشہد مزید بڑھا دیا گیا ہے تاکہ کچھ دم بھی آجائے، لیکن ایک، تین اور پانچ رکعت وتر کی صورت میں یہ طبعی نشاط باقی رہ سکتی ہے۔ بشرطیکہ نمازی، یہ نماز قلبی ذوق و شوق اور مناجات کے جذبہ اور لگن سے پڑھنے کے لیے کھڑا ہو۔

اعتراضات

احناف کو اس نظریہ سے اختلاف ہے، وہ تین سے کم و بیش رکعتیں بھی تسلیم نہیں فرماتے اور نہ ہی تین رکعتوں میں مسلسل قیام کے وہ قائل ہیں بلکہ دوسری رکعت پر تشہد ضروری تصور کرتے ہیں:

ع کرس نہ چلی بابا پیاسی

تشہد کیوں ضروری ہے؟ کچھ پتہ نہیں، حضرت امام ابن رشد فرماتے ہیں کہ اس باب میں ان کی جیبیں بالکل خالی ہیں۔

ومن ذهب الی ان الوتر ثلاث من غیر ان یفصل بینهما وقصر حکم الوتر علی الثلاث

وتقط، فليس يصح له ان يحتج بشى معمافى هذا الباب (بداية المجتهد)

اگر ان سے پوچھا جائے کہ کیا خیال ہے؟ تو فرمائیں گے: بس تین رکعت مع دو تشہد! جب آپ ان سے اس کی دلیل دریافت کریں گے تو پھر ہنس کر دکھادیں گے۔ اگر تکلف سے کسی نے کام لیا بس تو وہ انھیں اور عریاں کر دے گا۔

اس بارے میں علامہ عینی نے ان کو ایک بات سمجھائی ہے (انما ست رکعات منها التهجد وثلث رکعات وتر (العرف الشذی ص۲) جس کو ے کر انھوں نے "رائی سے پربت" بنادیا ہے۔ بغیۃ الالمعی فی تخریج الزیلعی میں سب سے زیادہ اس موضوع پر کام کیا گیا ہے، مگر حاصل؟ بس وہی ڈھاک کے تین پات۔

حدیث میں آتا ہے کہ حضور کبھی چار اور تین، کبھی چھ اور تین، کبھی آٹھ اور تین اور کبھی دس اور تین کر کے وتر پڑھتے تھے۔

قلت لعائشۃ: بکم کان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یوتر؟ قالت: باربع وثلث وست وثلث وثمان وثلاث وعشر وثلاث (ابوداؤد ص۱۹۳ باب صلوٰۃ اللیل)

اس پر احناف فرماتے ہیں کہ جہاں سات یا نو وتروں کا ذکر آیا ہے، یہ ان کی تفصیل ہے، یعنی آخری تین رکعت صرف وتر ہوتے تھے اور جہاں چھٹی یا آٹھویں رکعت میں تشہد پایا جاتا ہے وہ دراصل وتر کی اپنی دوسری رکعت کا ذکر ہے۔

ان کی تحقیق کا یہ اسلوب بھی ویسا ہے جیسا بریلوی چارپائی سے گیارھویں ثابت کرتے ہیں۔ اگر یہ وتر کی دوسری رکعت کی بات ہوتی، تو وہ اہل زبان تھے، ان کو چھٹی یا آٹھویں رکعت کا تشہد کہنا مناسب نہیں تھا۔ اس کے علاوہ جہاں صرف تین یا صرف پانچ رکعتوں کا ذکر ہے وہاں تو سرے سے دوسری یا چوتھی رکعت میں تشہد بیٹھنے کی ہی نفی کی گئی ہے، اب وہاں تین رکعتیں الگ ان سے کیسے انتزاع کی جائیں گی؟

امام طحاوی فرماتے ہیں کہ صحیح یہ ہے کہ وہ وتر "بتیرا" (دم بریدہ بے اصل) ہوتے ہیں جن سے پہلے اور رکعتیں نہ پڑھی گئی ہوں۔

کرہ افرادا لوتر حتی یکون معہ شفع (شرح معانی الآثار ص۱۷۱)

ہم کہتے ہیں، مزید اور کیا ہو؟ ہمیں اس سے سروکار نہیں، لیکن اس سے وتر کی تین رکعتوں میں "قعدہ اول" ثابت نہیں ہوتا۔ امام مالک بھی وہی کہتے ہیں جو طحاوی نے کہا ہے۔

بانه علیه الصلوٰة والسلام لم یوتر بالا فی اثر شفع فسای ان ذلک من سنة الوتر۔

(بدایة المجتهد لابن رشد ص۲۰۱)

ایک اور حدیث میں ہے کہ تین وتر نہ پڑھا کرو، پانچ یا سات رکعتیں پڑھا کرو، انہیں مغرب سے مشابہ نہ بناؤ۔

لاتوتروا بثلاث واوتروا بخمس او سبع ولا تشبهوا بصلوٰة المغرب (دارقطنی ص۱۷۲، والطحاوی ص۱۷۲)

اس کے کئی معنی ہو سکتے ہیں: ایک یہ کہ نماز مغرب کی طرح نہ پڑھو کہ اس سے پہلے کچھ نہ ہو، عشا ہو تو پہلے نماز عشا چاہیے، تہجد ہے تو پہلے تہجد کے دوسرے نوافل چاہئیں، تنہا وتر مناسب نہیں، کیونکہ یہ "تتمہ" ہیں اجعلوا اٰخر صلوٰتکم باللیل وترا (رواہ البخاری ص۱۳۶ جلد ۱) اگر آغاز نہ ہو تو "تتمہ" کاہے کا؟

اس کے ایک معنی یہ بھی ہیں کہ: اس میں "قعدہ اولیٰ" نہیں ہونا چاہیے! حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے "تشبہ" سے بچنے کے لیے اسی توجیہ کو پسند کیا ہے کہ: ان میں "قعدہ اولیٰ" نہیں چاہیے: صرف آخری کافی ہے۔

عن عطاء قال: قال ابن عباس رضی اللہ عنہ: الوتر مثل المغرب الا انه لا یجلس الا فی الثالثة (مصنف عبد الرزاق ص۲۷/۳)

یہی بات حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے (قیام اللیل ص۲۱۰) لیکن حسن کا حضرت عمرؓ سے سماع ثابت نہیں۔ اس لیے منقطع ہے ہاں مستدرک حاکم کی روایت قابلِ احتجاج ہے۔ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے شیخ حضرت عطاء بن ابی رباح کا بھی یہی عمل تھا۔

انه کان یوتر بثلاث رکعات لا یجلس فیهن ولا یتشهد الا فی اٰخرهن (قیام اللیل للمروزی ص۲۱۱)

یہی حضرت طاؤس اور ایوب کا بھی تعامل تھا۔

طاؤس، انه کان یوتر بثلاث لا یقعد بینهن (عبد الرزاق ص۲۷/۲)

قال حماد کان ایوب: یصلی بنا فی رمضان فکان یوتر بثلاث لا یجلس الا فی اٰخرهن (قیام اللیل ص۲۱۱)

تشبہ کے سلسلے میں صحابہ اور تابعین کا یہ تعامل، مختلف احتمالات میں سے کسی ایک احتمال کی تخصیص

کے لیے مفید ہو سکتا ہے۔ اس لیے جن علماء نے یہ تشخیص کیا ہے کہ: قعدہ اولیٰ نذر ہے، بجا کیا ہے۔ خاص کر جب مرفوع حدیث میں بھی اس کا ذکر آگیا ہے کہ آپ قعدۂ اولیٰ (پہلا تشہد) نہیں کیا کرتے تھے تو ایسے دوسرے احتمالات یا تاویلوں کا سہارا لینا علمی بات نہیں ہو سکتی۔

دراصل یہ امور تعبدی "نوعیت کے ہیں، جو صرف منقول کے ذریعے ثابت کیے جا سکتے ہیں، یہاں قیاس اور اجتہاد کچھ کام نہیں دیتے۔ اس لیے مرفوع روایات اور آثار صحابہ و تابعین سے جو بات ثابت ہوئی ہے وہی صحیح ہے یعنی یہ کہ: وتر ایک سے نو تک ہیں، جتنے جی چاہے پڑھ سکتے ہو، لیکن ایک، تین اور پانچ رکعتوں کی صورت میں پہلا تشہد نہیں ہوگا، صرف اخیری قعدہ کیا جائے گا، ہاں سات کی صورت میں چھٹی رکعت پر اور نو کی شکل میں آٹھویں رکعت پر قعدۂ اولیٰ کرنا پڑے گا۔ واللہ اعلم

آخری تشہد میں مسافر آکر ملے تو؟ تشہد اخیر، اتمام نماز کی ایک شکل ہے، اس لیے بہت سے ائمہ کا خیال ہے کہ جو تشہد میں آکر ملا ہے اس نے گویا اب تنہا نماز شروع کی ہے، اس لیے اسے دو ہی رکعتیں ادا کرنا چاہئیں، حضرت حسن، امام زہری، حضرت قتادہ اور حضرت عکرمہ کا یہی نظریہ ہے۔

حضرت حسن وان ادرکھم جلوسا صلی رکعتین (عبد الرزاق ص ۵۴۲ ج ۲)

زہری و قتادہ عن الزهري وقتادة في مسافر يدرك من صلوٰة المقيمين ركعة قالا: يصلي بصلوتهم، فان ادركهم جلوسا صلى ركعتين (ايضا ص ۵۴۳ ج ۲)

عکرمہ عن عكرمة مثل قول الزهري وقتادة (ايضا) لیکن اس میں راوی مجہول ہے۔

امام ابن حزم کے نزدیک کوئی صورت ہو، بہر حال مسافر قصر ہی کرے، خواہ مقیم امام کے پیچھے ہی کیوں نہ ہو، ان کا خیال ہے کہ قرآن و حدیث میں اس کے لیے کوئی استثناء نہیں آیا۔

ولم يفرق بين مأموم والامام، فالواجب على هذا ان المسافر جملة يقصروا المقيم جملة يتم ولا يراعي احد منهما حال امامه (محلى ص ۳۲ ج ۵)

حدیث میں ہے، اتباع کے لیے ہی امام بنایا جاتا ہے۔

انما جعل الامام ليؤتم به (رواه البخاري)

امام ابن حزم فرماتے ہیں کہ: تو پھر یہ بھی کہیے! کہ مقتدی بھی مسافر امام کی اقتداء میں دو ہی رکعتیں پڑھے،

فقلنا لهم: فقولوا للمقيم خلف المسافر انْ يأتم به اذن (محلى ص ۳۲ ج ۵)

لیکن ائمہ صحابہ نے اس قید اور تفصیل کا ذکر نہیں کیا، ابن عباسؓ کا ارشاد ہے:

ابن عباسؓ - قال اذا دخل المسافر في صلوٰة المقيمين صلى بصلوتهم (مصنف ابن ابی شیبہ ص ۳۸۲ ج ۱)

یعنی مسافر جب مقیم کے ساتھ نماز میں شریک ہو تو اسے اس کے حساب سے نماز پڑھنی چاہیے۔

ابن مسعودؓ عن عبد اللہ قال یصلی بصلوتھم (ایضاً ص۳۸۳)

ابن عمرؓ عن ابن عمر فی مسافر ادرک من صلوٰۃ المقیمین رکعۃ قال یصلی معھم ویقضی ماسبق (ابن ابی شیبۃ ص۳۸۳)

عن ابن عمر: فی المسافر فی صلوٰۃ المقیمین قال یصلی بصلوتھم (ایضاً ص۳۸۳)

قال ابو مجلز: قلت لابن عمر: ادرکت رکعۃ من صلوٰۃ المقیمین وانا مسافر قال اصل یصلوتھم (عبد الرزاق ص۵۴۲)

جابرؓ بن زید قال واذا صلیت فی جماعۃ فصل بصلوتھم (ابن ابی شیبۃ ص۳۸۳)

ہمارے نزدیک یہی مسلک اقرب الی الصواب ہے، مرفوع حدیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

اِنَّمَا جُعِلَ الْاِمَامُ لِیُؤْتَمَّ بِہٖ (بخاری۔ عن انس)

"امام اقتدا کے لیے ہی بنایا جاتا ہے۔"

اس کے ایک معنی تو یہ ہیں کہ جیسے وہ پڑھے تم بھی پڑھو، رکوع و سجود میں ہو یا قیام اور تشہد میں، دوسرے معنی یہ ہیں کہ جتنی نماز اس نے شروع کی ہے اتنی تم بھی کرو — یہاں پر یہ دونوں مراد ہیں۔ اگر مسافر کے پیچھے مقیم کا استثنا نہ آتا تو ہم وہاں بھی یہی کہتے کہ اسے بھی اتنی ہی پڑھنی چاہیے، چونکہ استثنا آگیا ہے۔ اس لیے ہم اس کے بھی قائل ہیں۔ استثناء کی دلیل یہ حدیث ہے۔

انہ اقام بمکۃ زمن الفتح ثمان عشرۃ لیلۃ یصلی بالناس رکعتین رکعتین ثم یقول: یا اھل مکۃ قوموا فصلوا رکعتین اخریین فانا قوم سفر (رواہ احمد وقال الشوکانی اخرجہ ایضا الترمذی وحسنہ والبیھقی وفیہ علی بن زید بن جدعان وھو ضعیف وانما حسن الترمذی حدیثہ لشواھدہ)

محدث شاکر فرماتے ہیں راجح یہ ہے کہ علی بن زید ثقہ ہے۔ الراجح عندنا توثیقہ (مسند احمد ص۶۸۳)

حضرت عمرؓ کا بھی یہی تعامل تھا۔

کان اذا قدم مکۃ صلی بھم رکعتین ثم قال یا اھل مکۃ اتموا صلوتکم فانا قوم سفر (رواہ مالک فی الموطا ص)

حضرت ابن عمرؓ بھی اسی طرح کیا کرتے تھے۔

قال صفوان جاء عبد اللہ بن عمر یعود عبد اللہ بن صفوان فصلی لنا رکعتین ثم انصرف فقمنا فاتممنا (رواہ مالک ص)

ہاں مسافر اگر مقیم کی اقتدار میں پڑھے تو پھر اسے پوری پڑھنا ہوں گی۔ حضرت ابن عباسؓ نے اسے "سنۃ ابی القاسم صلی اللہ علیہ وسلم" سے تعبیر کیا ہے۔

قال موسیٰ بن سلمۃ کنا مع ابن عباس بمکۃ فقلت انا اذا کنا معکم صلینا اربعًا واذا رجعنا الی رحالنا صلینا رکعتین قال تلک سنۃ ابی القاسم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رواہ احمد قال الشوکانی وقد اورد الحافظ ھذا الحدیث فی التلخیص ولم یتکلم علیہ (نیل ج ۳ ص ۱۴۲) وقال الہیثمی حسن)

اور اوپر کے آثار سے بھی یہی مترشح ہوتا ہے، کہ مسافر کو امام کے طریقے پر چلنا چاہیے۔ صلی بصلوتھم (عبد الرزاق وابن ابی شیبۃ)

اصل بات یہ ہے کہ، جہاں تو مقتدی کے ذمے کچھ باقی رہتا ہے اسے تو بہرحال پورا کرنا پڑتا ہے جیسا کہ عام حالات میں آپ کرتے ہیں، بعد میں جو آکر ملتا ہے۔ بقیہ امام کے سلام کے بعد پوری کر لیتا ہے۔ وہ امام کی اقتدار کی بنا پر ساقط نہیں ہوتا، امام کے ساتھ چلنا فرض ہے، پر جب تک چلے اور جتنا چلے لیکن جب وہ اپنے ذمہ سے فارغ ہو جاتا ہے اس سے آپ کا ذمہ ساقط نہیں ہوتا۔ اس لیے مقیم کے لیے ضروری ہے کہ وہ مسافر امام کے بعد اٹھ کر بقیہ رکعتیں پوری کر لے۔

اب اگر امام کی معیت کی وجہ سے اس مقتدی کو اپنے ذمہ سے بھی زیادہ چلنا پڑ گیا ہے تو بھی اسے نہیں چھوڑنا چاہیے، کیونکہ اب باقی حصہ اس کے لیے نوافل بن جائیں گے۔ مسافر امام ہو تو مقیم کے ذمے کچھ باقی رہ جاتا ہے مگر امام اس کا ضامن نہیں ہوتا اگر امام مقیم ہو تو مسافر مزید کچھ کما تو لیتا ہے مگر اس کا شرعی حرج کوئی نہیں ہوتا۔ اس لیے اب اسے امام کی اقتداء میں آجانے کے بعد اسے بعد میں اتنی ہی رکعتیں پوری کرنی چاہئیں، جتنی اس نے کی ہیں — کیونکہ امام کی اقتداء اس امر کا عہد ہوتا ہے کہ جہاں تک ممکن ہوگا میں انہی اقدار کی پابندی کروں گا۔ جن کی امام نے کی ہے۔

مہینوں تیمم کا سلسلہ۔ مرد اور عورت کی نماز میں کوئی فرق نہیں۔ روحانی بیوی۔

مولانا مودودی کی تفہیم القرآن کے چند مسائل

ایک خاتون کراچی سے لکھتی ہے کہ:

۱۔ پانی نہ ملے یا کوئی بیمار ہو اور پانی سے تکلیف بڑھے تو کیا مہینوں تیمم سے نماز پڑھی جا سکتی ہے۔ اور قرآن کو بھی چھوا جا سکتا ہے یا نہیں؟

۲۔ استحاضہ یا دوسری کسی ایسی بیماری سے کہ وضو رہ ہی نہ سکے تو کیا ہر نماز کے لیے تازہ وضو کافی ہوتا ہے اور قرآن بھی پڑھا جا سکتا ہے؟

۳۔ مرد اور عورت کی نماز میں کیا کوئی فرق ہے، مثلاً سمٹ کر بیٹھنا اور پڑھنا وغیرہ؟

۴۔ ایک شخص نے ایک روحانی بیوی کر رکھی ہے، جس سے غرض صرف روحانیت کی کشید بنانا ہے، ازدواجی ضرورت نہیں۔ چنانچہ جسمانی تعلق کے بغیر ایک بستر پر رات گزارتے ہیں اور کہتا ہے کہ شجر ممنوعہ جس میں حضرت آدم فیل ہو گئے تھے، ہم پاس ہو گئے ہیں۔ کیا اسلام میں اس کی بھی کوئی گنجائش ہے؟

۵۔ وہی شخص کہتا ہے، کہ ایک وقت میں تین یا اس سے زائد طلاق دینے سے طلاق واقع نہیں ہوتی، ہاں خدا کے بتائے ہوئے طریقہ پر تین ماہ میں طلاق دی جائے تو واقع ہو جائے گی یہ کہاں تک صحیح ہے؟

یہ شخص علم غیب کا بھی مدعی ہے اور مہدی بننے کے بھی خواب دیکھ رہا ہے۔ اسے کیا کہا جائے؟

۶۔ تفہیم القرآن کے سلسلے کے چند سوالات کے جوابات درکار ہیں، صرف اطمینان مقصود ہے۔ اعتراض نہیں۔

(ا) حضرت یوسف علیہ السلام کی عمر، اسال تھی جب اسے بھائیوں نے لے جا کر کنوئیں میں لا ڈالا تھا۔ اتنی عمر کے جوان لڑکے اپنے دفاع کے قابل ہوتے ہیں۔ پھر ڈول میں وہ کیسے بیٹھ گیا، پھر قافلہ والوں نے اسے کیسے چھپا لیا، جب بھائیوں نے کہا کہ یہ ہمارا بھاگا ہوا غلام ہے تو انھوں نے کیوں نہ کہا یہ میرے بھائی ہیں جنھوں نے میرے ساتھ یہ سلوک کیا ہے،

(ب) حضرت سلیمان علیہ السلام کے تخت پر دھڑ لا ڈالنے کی حقیقت کیا ہے؟

(ج) حضرت داؤد علیہ السلام کو دو جھگڑوں کا فیصلہ سنانے کے بعد کون سی خطا یاد آگئی تھی؟

(د) حضرت سلیمان علیہ السلام گھوڑوں کے معائنہ میں یوں کھو گئے کہ نماز بھی ان کو یاد نہ رہی ایک پیغمبر سے ایسا کیوں سرزد ہوا؟ (مختصراً)

الجواب

مہلبنوں تیمم جی ہاں جائز ہے: حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ گو دس سال تک پانی نہ ملے مٹی اس کے لیے کافی رہے گی۔

اِنَّ الصَّعِیْدَ الطَّیِّبَ طَهُوْرُ الْمُسْلِمِ وَاِنْ لَّمْ یَجِدِ الْمَآءَ عَشْرَ سِنِیْنَ الحدیث

(رواہ احمد والترمذی وصححہ)

شارحین حدیث نے لکھا ہے کہ: پانی سے وضو کر کے جو کچھ کیا جا سکتا ہے، وہ سب کچھ تیمم سے

بھی کیا جاسکتا ہے۔ نماز، تراویح، دخول مسجد، قرآن کو چھونا وغیرہ وغیرہ۔ دس سال مثال کے طور پر بیان کیے گئے ہیں۔ اس سے بھی زیادہ مدت کی ضرورت ہو تو بھی یہی حکم ہے۔

ویدل ان الصعید طھور یجوز لمن تطھر بہ ان یفعل ما یفعلہ المتطھر بالماء من صلوٰۃ وقراءۃ ودخول مسجد ومس مصحف وجماع وغیر ذلک وان الاکتفاء بالتیمم لیس لبقدر بوقت محدود بل یجوز ان تطاول العھد بالماء الخ (نیل الاوطار ص۲۲۶)

مستحاضہ نماز کے لیے تازہ وضو کرے۔ خصوصی ایام کے دنوں کا اندازہ کر کے بعد میں ایک دفعہ ضرور نہالے، پھر ہر نماز کے لیے تازہ وضو کر لیا کرے۔ دوسرے معذوروں کا بھی یہی حکم ہے کہ غسل کی حاجت ہو تو ایک بار غسل کر کے پھر تازہ وضو سے کام لے۔

قالت فاطمۃ بنت ابی حبیش لرسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یا رسول انی لا اطھر افادع الصلوٰۃ فقال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم انما ذلک عرق ولیس بحیضۃ فاذا اقبلت الحیضۃ فاترکی الصلوٰۃ فاذا ذھب قدرھا فاغسلی عنک الدم۔ (بخاری باب الاستحاضۃ ص۴۴)

یعنی فاطمہ بنت ابی حبیش نے حضورؐ سے کہا، میں تو ناپاک رہتی ہوں (یعنی استحاضہ کی مریض ہوں) تو کیا نماز چھوڑ دیا کروں، آپؐ نے فرمایا یہ تو ایک بیماری ہے، حیض نہیں ہے، جب حیض آجائے نماز چھوڑ دیا کرو، جب وہ دن ختم ہو جائیں تو (نہا کر) خون دھو ڈالیے اور نماز پڑھیے۔

نماز کی طرح قرآن کے چھونے کا بھی یہی حکم ہے۔

مرد اور عورت کی نماز میں فرق۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حدیثوں سے اس امتیاز کے لیے کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ جو عموماً دیکھنے میں آتا ہے، مثلاً سمٹ کر سجدہ کرنا، سمٹ کر تشہد میں بیٹھنا اور تکبیر تحریمہ میں کان یا کندھے کے بجائے صرف چھاتی تک ہاتھ اٹھانا۔

احادیث میں تکبیر تحریمہ کے لیے دوش، کان اور کان کی لو تک ہاتھ اٹھانے کا ذکر آیا ہے۔

اذا قام الی الصلوٰۃ رفع یدیہ حتی یکون ابھامہ منکبیہ (بخاری ومسلم)

سجدہ کی حالت میں بھی سمٹنے کے بجائے حضورؐ متعلقہ اعضاء کو کشادہ کر کے پڑھتے تھے، بازو پہلوؤں سے دور اور پیٹ رانوں سے الگ رکھتے تھے۔

اذا سجد فرج بین فخذیہ غیر حامل بطنہ علی شیء من فخذیہ (ابوداؤد)

ونھی یدیہ عن جنبیہ (ترمذی)

فاذا سجد وضع یدیه غیر مفترش ولا قابضهما (بخاری)

یہی تشہد کی کیفیت تھی کہ بچھتے نہیں تھے،

وینھی ان یفترش الرجل ذراعیه افتراش السبع (مسلم)

وکان یفرش رجله الیسری وینصب رجله الیمنی (احمد ومسلم)

حضرت ام الدرداءؓ کا بھی یہی دستور تھا۔

ام الدرداء ترفع کفیها حذو منکبیها (ابن ابی شیبة ص۲۳۹) کانت تجلس فی الصلوٰة کجلسة الرجل (ابن ابی شیبة ص۲)

ہاں صحابہؓ، تابعین اور ائمہ سے کچھ ایسے آثار ملتے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ ان تینوں مقامات میں عورتیں سمٹ کر رہتی تھیں۔ تکبیر تحریمہ، سجدہ اور تشہد میں۔

تکبیر تحریمہ۔ حضرت عطاء بن ابی رباح فرماتے ہیں کہ عورت چھاتی تک ہاتھ اٹھائے۔

سئل عن المرأة کیف ترفع یدیها فی الصلوٰة قال حذو ثدییها (ابن ابی شیبة)

حضرت حفصہ بنت سیرین کا عمل تھا: کبرت فی الصلوٰة واومئت حذو ثدییها (ایضاً)

سجدہ کی حالت میں۔ سجدہ کرتیں تو سمٹ کر، یہی حضرت ابن عباسؓ کا نظریہ تھا۔

انه سئل عن صلوٰة المرأة فقال تجتمع وتحتفز (ابن ابی شیبة)

یہی مذہب مجاہد، حسن اور امام نخعی کا ہے (ایضاً ص۲)

تشہد میں۔ حضرت صفیہؓ بھی سمٹ کر بیٹھتی تھیں۔

عن نافع ان صفیة کانت تصلی وھی متربعة (ایضاً)

یہی تعامل حضرت ابن عمرؓ کی مستورات کا تھا۔

عن نافع قال کن نساء ابن عمر یتربعن فی الصلوٰة (ایضاً)

فقہاء نے لکھا ہے کہ اس سے ستر زیادہ ممکن ہوتا ہے (ہدایہ) مگر یہاں ستر سے زیادہ تکلف رہ جاتا ہے اور تکلف بھی ایسا جسے اگر اپنانے کی کوشش کی جائے تو عورت کے لیے جینا دوبھر ہو جائے، صحیح یہ ہے کہ عام حالات میں جس قدر ستر اس کے لیے تشخیص کیا گیا ہے وہ یہاں بھی کافی ہے اس لیے خواتین کی نماز کے لیے الگ کوئی اور نظام مرتب نہیں کیا گیا۔ یہ صرف بزرگانہ احتیاطیں ہیں۔ اگر کوئی کرلے تو گو یہ ان کے لیے رھبانیة ابتدعوھا کی سر دردی ہوگی۔ تاہم وہ اس کی مجاز ہے بشرطیکہ ان کے سمٹنے اور کھلنے کا یہ انداز عمل کثیر کے مشابہ نہ ہونے پائے ورنہ جس طرح وہ اس کو نباہتی ہیں

وہ خاصی محنت بن جاتی ہے ۔ بسا اوقات یوں بھی لگتا ہے کہ اس بناؤ میں قبلہ سے ان کا رخ بھی پھر جاتا ہے ۔ بہرحال سمٹنا گوارا ہو تو شاید گوارا رہے مگر وہ تو ایسا کرتی ہیں جیسے وہ گردش میں آگئی ہوں ۔

بہرحال ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ : جو خواتین سمٹ کر پڑھتی ہیں ، ان کے لیے گنجائش ہے گو یہ ان کے لیے ایک پھندا بن گیا ہے تاہم اگر وہ اس سے مطمئن ہوتی ہیں تو وہ جانیں ۔ اسلام نے ان کو تعامل حیات سے کاٹ کر ان کے لیے الگ اور کوئی ایسا نظام پیش نہیں کیا جو عام اسلوب سے بے جوڑ ہو ۔ ہاں جو خواتین ویسے پڑھتی ہیں ، جیسے حدیث مرفوع میں حضور کی نماز کا ذکر آیا ہے تو اقرب الی السنۃ حقیقۃً وہی طریقہ ہے ۔ دراصل اسلام نے جو نظام عبادت پیش کیا ہے وہ انسان کے عام بے ساختہ پن پر بار نہیں بنا مگر بعد میں ان بزرگانہ احتیاطوں نے ان کو کافی حد تک نقصان پہنچایا ہے ۔ بھاری ، ثقیل اور بوجھل بنا دیا ہے ۔ بزرگوں کی بزرگانہ احتیاطوں نے کیسے کیسے اور کہاں کہاں نظام حیات کے بے ساختہ پن کو متاثر کیا ہے ؟ یہ ایک لمبی داستان ہے اور اس کے لیے دفتر چاہیے ۔

روحانی بیوی ۔ یہ خبطی انسان ہے اس کا علاج ہونا چاہیے یا یہ کہ : یہ کوئی شاطر انسان ہے ، جو عورتوں کے استحصال کے درپے ہے ۔ اس لیے اس پر حد جاری ہونی چاہیے ۔ جیسا کہ آپ نے فرمایا ہے کہ : اگر حضرت آدم اور حوا کے لیے بھی شجر ممنوعہ یہی جنسی اختلاط تھا مگر وہ نہ بچ سکے حالانکہ وہ نبی تھے تو یہ کیسے بے داغ رہ سکتے ہیں ؟

باقی رہے علم غیب اور مہدی ہونے کے دعوے ؟ تو یہ کیفیت ہر خبطی کی ہوتی ہے ۔ یہ ہسٹیریائی مزاج کے لوگ ہوتے ہیں ، اس لیے اس قسم کی بے تکی ہانکتے رہتے ہیں ۔ ایسے لوگوں کے مرید بھی نکل آتے ہیں ۔ آخر مرزا کو بھی مل ہی گئے تھے ! اللہ نے حضرت حوا کو حضرت آدم علیہ السلام کی تسکین کے لیے پیدا فرمایا تھا اگر بعد میں جنسی اختلاط ہی ان کے لیے شجر ممنوعہ تھا تو پھر یہ "تسکین" تو ان کے لیے بہت ہی دلچسپ تسکین رہی ۔ ہاں صحیح عقد کے بغیر نجی قسم کی روحانی بیوی کا تصور ، دراصل اصلی "شجر ممنوعہ" ہو سکتا ہے جس کو یہ خبطی روحانیت کی کشید کی کوئی معنوی مشین سمجھتا ہے ۔

کتاب و سنت اور تمام اقوام عالم کے تعامل سے پتہ چلتا ہے کہ : غیر منکوحہ نامحرم عورت ، روحانیت کے لیے سم قاتل ہوتی ہے ۔ ممد اور معاون نہیں ہو سکتی ۔ اس کے علاوہ وہاں حمل ہو جانا وغیرہ کے لیے اس کے پاس کیا ثبوت ہے ۔ قرآن یا حدیث یا ان کے ماسوا ان کا نجی علم غیب ؟

روحانی بیوی کا تصور ، عیسائیت کا تصور ہے کہ ترک دنیا اور لذائذ حیات سے کنارہ کشی کرنا عبادت ہے ۔

پہلی امتوں کے نظامِ خانقہی میں ان روحانی خواتین کا وجود ملتا ہے جن کے بعد خانقاہی چھپڑوں کے واڑے میں ایسی گندگی نے جنم لیا کہ شیطان بھی دیکھ کر ششدر رہ گیا۔ ہو سکتا ہے کہ کچھ نئے رنگیلے شاہ اسی قسم کی روحانی بیویوں کی تلاش میں دوڑ دوڑ کر اس کے حلقہ میں داخل ہونے کی کوشش میں لگ گئے ہوں کہ:۔

ع اک برہمن نے کہا ہے کہ سال اچھا ہے

ہمارے نزدیک ملک و ملت کی پاکیزگی، طہارت اور عافیت کے خلاف یہ ایک خطرناک سازش ہے، حکومت کو چاہیے کہ پولیس کے ذریعے اس کا اصلی کھوج لگا کر اس کو ملتِ اسلامیہ کے لیے فتنہ بننے سے روکے۔ ہماری نئی نسل پہلے ہی اس قسم کی "روحانیت" کے پیچھے مارے مارے پھر رہی ہے۔ اگر اس نے اس کو بھی اپنے خصوصی حاسہ سے سونگھ لیا تو شاید پھر گندگی کا وہ سیلاب بلا ابھرے گا کہ ہو سکتا ہے کہ اس کی روک تھام شائد بعد میں ان کے بس کا روگ بھی نہ رہے۔

تین طلاقیں اس سلسلے میں صحیح یہ ہے کہ:

اگر کوئی شخص ایک ہی مجلس میں تین طلاقیں دیتا ہے تو وہ واقع ہو جاتی ہیں، مگر تینوں نہیں بلکہ وہ صرف ایک شمار ہوں گی۔ حضور کے زمانے میں یہی قاعدہ تھا۔

عن ابن عباس قال کان الطلاق علیٰ عھد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وابی بکر وسنتین من خلافۃ عمر طلاق الثلاث واحدۃ (مسلم باب الطلاق الثلاث)

ہاں ایک ہی وقت میں تین طلاقیں دینا بہت بڑا گناہ ضرور ہے۔

اُخبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن رجل طلق امراتہ ثلث تطلیقات جمیعا فقام غضبانا ثم قال ایلعب بکتاب اللہ عز وجل وانا بین اظھرکم (رواہ النسائی)

لیکن گناہ کے باوجود طلاق پڑ جاتی ہے مگر ایک، جیسا کہ مسلم کی روایت میں آیا ہے۔ طلاق دراصل دو مسلمانوں کے درمیان انتہائی منافرت کا نتیجہ ہوتی ہے اس لیے اس کو حلال تو کہا گیا ہے مگر ابغض الحلال۔

قال النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: ابغض الحلال الی اللہ الطلاق (ابو داؤد) وفی روایۃ ولا خلق اللہ شیئا علی وجہ الارض ابغض الیہ من الطلاق (دارقطنی)

بہت سے ائمہ کے نزدیک ایک مجلس کی تین طلاقیں تین ہی شمار ہوتی ہیں۔ کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک زمانہ میں لوگوں کو بریک لگانے کے لیے تو بیختاً، زجراً اور تعزیراً تینوں کو نافذ کر دیا تھا مگر وہ وقتی بات تھی تاکہ لوگ اسے روز کا مشغلہ نہ بنا لیں۔ ہاں اگر اب پھر یہ صورت پیدا ہو جائے تو

ان ائمہ کے مسلک کے لیے گنجائش نکل سکتی ہے لیکن نارمل حالات میں ایسا کرنا قرآنی روح کے خلاف ہے، تین طہروں میں تین طلاقیں تشخیص کرنے سے غرض یہ تھی کہ فریقین کو سوچنے اور وقتی ابال کی وجہ سے عاقبت نااندیشانہ اقدام پر غور کرنے کا موقع مل جائے اس کے باوجود اگر فریقین جڑ بیٹھنے کے لیے تیار نہیں ہو سکے تو پھر گھر کی فضا کو مزید تکدر سے بچانے، ان کے ازدواجی رشتہ کو کاٹ پھینکنے کی اجازت دے دی گئی ہے۔ طلاق کا یہ ایک حکیمانہ انداز ہے۔ حضرت امام ابن تیمیہؒ اور حضرت امام ابن القیمؒ نے اس نکتے کی جو تفصیلات پیش کی ہیں، حرزِ جاں بنانے کے قابل ہیں۔

حضرت یوسفؑ کی عمر، جب بھائیوں نے حضرت یوسفؑ کو اغوا کیا تھا، اس وقت ان کی عمر کیا تھی؟ قرآن اور حدیث میں اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ ہاں تورات میں آیا ہے کہ اس وقت ان کی عمر ۱۷ سال تھی۔

یعقوب کا احوال یہ ہے کہ یوسف ۱۷ برس کا ہو کے اپنے بھائیوں کے ساتھ گلہ چراتا تھا (پیدائش)

عام فہم کا آدمی بھی یہ جانتا ہے کہ اتنی عمر کے بچے جوان ہوتے ہیں۔ ان کا اغوا آسان نہیں ہوتا، کنوئیں میں ڈالنے کے لیے ڈول میں بٹھا کر لٹکانا پھر اسے نکالنا، بکنا اور اسکو چھپانا یہ سب باتیں اس امر کی غماز ہیں کہ وہ کم سن بچے تھے۔

غلام کے یہ معنی کرنا کہ اس کی مسیں بھیگنے کو آئیں۔ یعنی بھرپور جوانی کو پہنچے (مفردات راغب) غلام کی عمر کی آخری حد ہے۔ ساری نہیں ہے اور اسی بات کی طرف توجہ نہ دینے کی وجہ سے جو ذہول ہوا ہے، ہوا ہے۔

(فی الشرع یسمی غلاماً الی البلوغ (دستور العلماء ص ۲۳۱/۲)

بس غلام کے سلسلے میں جو مغالطہ لگا ہے، وہ اس کی اسی شرعی اصطلاح کی حقیقت پر غور نہ کرنے کی بنا پر پیدا ہوا ہے۔

قرآن حکیم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سلسلے میں "غُلٰمَيْنِ يَتِيْمَيْنِ" کا ذکر کیا ہے۔ یتیم بالغ بچے کو نہیں کہتے، یتیم دراصل نابالغ بچہ ہوتا ہے (مفردات) اس سے معلوم ہوا کہ غلام نابالغ بچے کو بھی کہتے ہیں۔ گرم ممالک میں ۱۷، ۱۸ سال کا بچہ بالغ ہوتا ہے۔

حضرت مریمؑ اور حضرت زکریاؑ کو اللہ تعالیٰ نے ایک "غلام" (بچے) کی بشارت دی تھی، ظاہر ہے وہ کم سن بچے کی بابت ہی ہو سکتی ہے "مسیں بھیگے" ہوئے نوجوان تو پیدا نہیں ہوتے۔ جب بچہ عطا ہوتا ہے تو ننھا منھا ہی ہوتا ہے۔ اس لیے حضرت یوسف علیہ السلام گو اس حد تک ننھے منھے نہ ہوں (کیونکہ وہ اپنا خواب بھی خود بیان کرتے ہیں) تاہم وہ ایسے بھی نہیں تھے کہ اسے خود کفیل جوان تصور کیا جائے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے اپنے والد محترم سے اپنی درخواست میں یہ بھی کہا تھا کہ انھیں کل صبح ہمارے ہمراہ بھیج دیجیے کہ وہاں چل کر کھائیں پئیں اور کھیلیں کودیں۔

اَرْسِلْهُ مَعَنَا غَدًا يَّرْتَعْ وَيَلْعَبْ (پ ۱۲ - یوسف ع ۲)

کھیل کود اور کھانے پینے کی باتیں کم سن بچوں سے تعلق رکھتی ہیں، بڑوں سے نہیں، خاص کر گرم ممالک میں ۱۷، ۱۸ سال کا نوجوان، خاصہ جوان ہو جاتا ہے، کھیل کود کی باتیں ایسے جوان کے لیے بے جوڑ سی باتیں ہوتی ہیں، اس کھیل کود کو دورِ حاضر کی کھیلوں اور میچوں پر قیاس نہیں کرنا چاہیے، کیونکہ کھیل کود کا دور "بے ہوشی" کا دور ہوتا ہے، وہ فن نہیں ہے کہ ۳۰-۳۵ سال کی عمر تک دراز رہے، جب ذمہ داریوں کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے تو پھر کھیل کود کا انداز فطری نہیں رہتا، پرستی والا چسکا یا فن بن جاتا ہے۔

اسی طرح بھیڑیا کم سن بچے کا شکار کرتا ہے، اتنے جوان انسان کا نہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے عہد کا ایک واقعہ بیان فرمایا ہے کہ:۔

دو عورتیں اپنے دو بچوں (صبیان) کے ہمراہ باہر گئیں، ان میں سے ایک کو بھیڑیا لے گیا، جو بچہ بچ رہا اس کی دونوں مدعی ہو گئیں، وہ کیس حضرت داؤد علیہ السلام کی خدمت میں پہنچا۔ انھوں نے بڑی عورت کے حق میں ڈگری کر دی، پھر ان کا گزر حضرت سلیمان پر ہوا، انھوں نے ان سے ماجرا پوچھا جو انھوں نے بیان کر دیا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ چھری لے آؤ، میں بچے (الغلام) کے دو حصے کر کے تم میں بانٹ دوں، چھوٹی بولی: کیا آپ اسے چیریں گے؟ فرمایا ہاں! کہا ایسا نہ کیجیے! میرا حصہ بھی اس کو دے دیجیے! آپ سمجھ گئے کہ یہ واقعی اس چھوٹی کا بچہ ہے، چنانچہ اس کے حوالے کر دیا۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

خرجتا امرأتان ومعهما صبیان فعدا الذئب علی احدھما فاخذ تا تختصمان فی الصبی الباقی فاختصمتا الی داود فقضی بہ للکبری منھما فمرتا علی سلیمان النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال کیف امرکما؟ فقصتا علیہ القصہ، فقال ائتونی بالسکین اشق الغلام بینکما فقالت الصغری اتشقہ؟ قال نعم! قالت لا تفعل! حظی منہ لھا، قال ھو ابنک فقضی بہ لھا (مسند احمد) بخاری کتاب الانبیاء میں بھی یہ واقعہ مذکور ہے۔ مگر الفاظ کم و بیش ہیں۔

اس بچے کو "غلام" بھی کہا گیا ہے جو اتنا کم سن ہے کہ بتا بھی نہیں سکتا کہ میری ماں کون ہے۔ اور یہ بھی واضح ہو گیا کہ بھیڑیے نے کمسن بچے کا شکار کیا تھا، جو اپنے دفاع کے قابل نہیں تھا۔ چنانچہ

بھائیوں نے کہا تھا کہ ہماری موجودگی میں وہ ایسا کیسے کر سکے گا۔ (یوسف ع)

چنانچہ بعد کے حالات بتاتے ہیں کہ واقعی وہ بچے ہی تھے اور بچوں کی طرح تھپیڑے کھاتے چلے گئے تھے۔ جیسے بچہ دم بخود ہو جاتا ہے ویسے ہی ان کا حال رہا ہے اور کسی سے بھی اپنی صحیح بپتا نہ بیان کر سکے ورنہ راز افشا ہو جانا کچھ مشکل بات نہ تھی۔ فَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّہٗ اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا (یوسف-ع) سے بھی یہی مترشح ہوتا ہے کہ وہ ابھی سن رشد کو نہیں پہنچے تھے، امام مالک فرماتے ہیں کہ اس سے مراد بلوغت ہے (ابن کثیر) باقی یہ بات کہ سن رشد کو پہنچنے کے بعد بھی انھوں نے اپنا راز نہیں فاش کیا تھا تو یہ متانت ان کی اس افتاد طبع کا نتیجہ تھی جو مہبط جبرائیل بننے والی تھی۔

تختِ سلیمان پر دھڑ۔ جن حقائق اور امور کا تعلق ہمارے مستقبل سے ہوتا ہے اور جن کی تفصیلی کڑیاں معلوم کیے بغیر ایک نظامِ حیات کی تکمیل ممکن نہیں ہوتی، قرآن نے ان کی تشریح، توضیح اور تفصیل کا حق خود ادا کیا ہے اور ان میں سے کسی کے لیے کسی انتظار کی کوئی گنجائش نہیں چھوڑی، لیکن جن امور کی کیفیت یہ نہیں ہے اور نہ حق تعالیٰ کے حضور ان کے سلسلے کی جواب دہی متعلق ہوتی ہے، خاص کر ایسی باتیں جن کی تفصیل بندوں کے لیے ایک ذہنی مشغلہ کے سوا اور کچھ نہیں چھوڑتی یا کم مائیگی کی وجہ سے غلط مہمل کی طرف انسان کے ذہن کے منتقل ہونے کا امکان ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ نے خود ہی ان کی تفصیل اور نشاندہی نہیں فرمائی۔ مگر افسوس! عرصہ دراز سے انسان انہی امور کی نقاب کشائی کے درپے ہو گیا ہے جس سے ذہنی عیاشی اور غیر علمی دریافت کے سوا ان کو اور کچھ وصول نہیں ہوا اور نہ کبھی ہو گا کیونکہ ان کا تعلق ان ذرائع سے ہے جو انسان کے علم و تجربہ سے وراء الوراء ہیں۔ اس لیے جن لوگوں نے ان پر طبع آزمائی کا سلسلہ شروع کیا، وہ ناکام رہے یا گمراہ ہوئے اور حماقتوں کے ایسے ایسے دروازے کھولے جن سے لاکھوں حماقتوں اور ضلالتوں نے جنم لیا۔ یہی کچھ حضرت سلیمان علیہ السلام اور حضرت داؤد علیہ السلام کے بعض واقعات کے بارے میں اختیار کیا گیا ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ایک امتحان کا ذکر کیا ہے۔

وَلَقَدْ فَتَنَّا سُلَيْمٰنَ وَاَلْقَيْنَا عَلٰى كُرْسِيِّهٖ جَسَدًا (پ۔ ۲۳، ص، ع ۳)

اور ہم نے سلیمان کو آزمایا اور ان کے تخت پر ایک دھڑ لا ڈالا۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ امتحان کیا تھا، پھر اس میں وہ کامیاب رہے یا نہیں، اسی طرح یہ بات کہ ان کے تخت پر جو دھڑ لا ڈالا گیا تھا، وہ کیا تھا اور اس سے کیا غرض تھی۔ اس سلسلے میں قرآن و حدیث بالکل خاموش ہیں۔

بعض جو روایات بیان کی گئی ہیں وہ قابل اعتبار نہیں ہیں جیسا کہ حاکم نے مستدرک میں حضرت ابن عباسؓ سے ایک روایت بیان کی ہے۔ چونکہ وہ اسرائیلیات بھی بیان کیا کرتے تھے، اس لیے یہاں اس کا کوئی اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔ بخاری (کتاب الانبیاء) میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے بارے میں کچھ روایات بیان کی گئی ہیں مگر ان کا اس مقام سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ان واقعات سے اصل غرض "موعظت اور عبرت" ہے سو وہ تفصیلی کڑیوں کی نشاندہی کے بغیر بھی ممکن ہے۔ اس لیے اس پر مجملاً ایمان رکھیے، اس کی تفصیلی نشاندہی ہمارے علم و ہوش کی دسترس سے بہت پرے کی چیز ہے اور اس کے ہم مکلف بھی نہیں ہیں، جو لوگ مفسرین کی پیش کردہ اسرائیلیات اور دور از کار حکایات بیان کرنے پر اصرار کرتے ہیں، ان سے ہم یہ بھی کہا کرتے ہیں کہ اگر کوئی علمی نکتہ بیان کرنا ضروری ہے تو پھر ان سب کی بہ نسبت ہمیں یہ نکتہ زیادہ پسند ہے کہ یہ دعویٰ کیا جائے کہ:

اس آزمائش سے مراد اقتدار ہے اور کرسی پر جس دھڑ کا ذکر ہے اس سے مراد خود ان کی اپنی ذات گرامی ہے جو اقتدار کی اس کرسی پر فائز تھی، کیونکہ اقتدار ارباب اقتدار کے لیے ایک بہت بڑی آزمائش ہوتا ہے۔ اور اس آزمائش کا ذکر خود اسی اقتدار کے سیاق میں بیان بھی کیا گیا ہے۔ اس سے پہلے اور بعد کی آیات مطالعہ کی جا سکتی ہیں۔

اور گھوڑوں کے مشاہدہ میں یوں کھو گئے کہ نماز ہی فوت ہو گئی۔ گو معائنے کا یہ سلسلہ بھی ایک نیک سلسلہ ہے تاہم وقت اور محل موقع کے لحاظ سے اب یہ ایک بے وقت کی بات بن گئی تھی، خدا کے دربار میں حاضری کے لیے دوسرے امور کو ممکن حد تک ملتوی اور موخر کیا جا سکتا ہے۔ لیکن اس "حاضری" کو کسی دوسری نیکی کے لیے حتی الامکان موخر کرنا جائز نہیں ہوتا مگر اب یہ بات بھی ان سے ہو گئی۔ اس لیے رب کی طرف رجوع کر کے آپ کو خدا کے حضور گڑگڑانا پڑا۔ بہرحال ہمارے نزدیک یہ بات قرآن حکیم کی آیات کے سیاق سے زیادہ قریب ہے۔

قضائے نماز اور پیغمبر۔ گھوڑوں کے معائنہ میں انہماک کی وجہ سے حضرت سلیمان علیہ السلام کی نماز کا قضا ہو جانا سہواً ہوا، انبیائے کرام سے ایسا سہو جو محض رب کی رضاجوئی کے لیے سرزد ہوتا ہے وہ از قسم معصیت نہیں ہوتا بلکہ وہ "الاہم فالاہم" کی ترتیب میں غیر شعوری طور پر خلل آ جانے کی بات ہوتی ہے، یعنی مطلوب دونوں ہوتے ہیں مگر اپنے وقت کے ساتھ مشروط ہوتے ہیں جس کے سلسلے میں نیک جذبات کی بنا پر ذہول ممکن ہو جاتا ہے اور وہ ہو بھی گیا۔ اس لیے بعد میں آپ کو اس کا احساس ہوا جس سے سینہ میں کسک پیدا ہو گئی اور ان کے مقام رفیع کے لحاظ سے بعد میں وہ ایک قدرتی "تنبیہ" بن گئی۔

حضرت داؤدؑ ۔ بہتر یہی ہے کہ انبیائے کرام علیہم السلام کی خطائیں تلاش نہ کی جائیں کیونکہ وہ "حسنات الابرار سیئات المقربین" کی نوعیت کی چیز ہوتی ہے، گناہ نہیں ہوتا۔ دراصل اس امتحان اور اس سلسلے میں نادانستہ جو بھول چوک سرزد ہوئی، بلکہ محض رب کی خوشنودی کی راہ میں جو لغزش ہوئی اس کا بھی قرآن و حدیث میں کوئی مذکور نہیں ہے۔ کیونکہ اس سے ہماری سعادت متعلق نہیں ہے اس لیے اس کی ٹوہ میں پڑنا برخورداری نہیں ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ امتحان میں غلطی بھی سرزد نہ ہوئی ہو لیکن اس تصور سے چونک اٹھے ہوں کہ: ہمارے سلسلے میں خدا نے اس کی ضرورت کیوں محسوس کی آگے بڑھ کر خدا سے معافی مانگ لی کہ الٰہی ہمیں آزمائش کا ہدف نہ بنائے، جہاں ہماری لغزش کا امکان ہے، وہاں اپنی مدد ہمارے شاملِ حال رکھیے! یہ احساس بجائے خود تعلق باللہ کا غماز ہے، بہرحال جس خطا کا ذکر آپ نے کیا ہے پہلے وہ خود موہوم بات ہے۔ اگر ہو بھی تو اس کی تفصیل نہ قرآن میں ہے اور نہ حدیث میں، بائیبل میں جو باتیں ملتی ہیں وہ قابلِ استناد نہیں ہیں۔ اور باقی جو کچھ ہے صرف افسانے ہیں۔ اس لیے یہ ذہن میں رکھیے کہ رب اور اس کے بندے کے مابین کوئی بات تھی جو بالآخر نہ رہی جس سے ان مقربینِ بارگاہِ الٰہی کے مقام و مرتبہ میں رائی برابر بھی فرق نہیں آیا۔ باقی رہی یہ بات کہ وہ بات کیا تھی؟ سو وہ خدا ہی جانے۔ آپ اس سے زیادہ اور کسی بات کے مکلف نہیں ہیں۔

اصحابِ کہف اور انبیاء علیہم السلام کے نام کے تعویذ۔ اے اللہ کے ولی! میرے لیے دعا کیجیے۔ خواب میں سلطان باہو۔

کلیال (دادئ سون) کے رحمانی صاحب کراچی سے لکھتے ہیں کہ:

۱۔ اصحاب کہف اور انبیاء علیہم السلام کے اسمائے گرامی لکھ کر اس نیت سے گھر میں لٹکانا کہ جن بھوت داخل نہ ہوں گے، کیا جائز ہے؟

۲۔ کسی بزرگ کی قبر پر جا کر یہ کہنا کہ، اے اللہ کے ولی ہمارے لیے رب سے دعا کیجیے۔ کیا درست ہے؟

۳۔ ایک موحد انسان سلطان باہو کی قبر پر جا کر خواب دیکھتا ہے کہ وہ اسے فرما رہے ہیں کہ لوگ یہاں آ کر شرک کرتے ہیں، موحدین کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ اسے نہیں روکتے۔ کیا ان کو واقعی ان واقعات کا پتہ چلتا رہتا ہے، کیا ایسا خواب رحمانی کہلائے گا یا شیطانی (مختصراً۔ ۲۲ ربیع الاول ۱۳۹۶ھ)

الجواب

اسمائے گرامی گھر میں لٹکانا۔ اصحاب کہف اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے اسمائے گرامی بطور

تعویذ گھر میں لٹکانا، شرعاً مناسب نہیں ہے، کیونکہ قرآن و حدیث میں اس کے جواز کے لیے کوئی نظیر نہیں ملتی۔

اس کے علاوہ ایسی ذات گرامی جس کے نام مبارک سے استعانت یا تبرک حاصل کرنا مسنون بلکہ عبادت ہو وہ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات پاک ہے۔ قرآن حکیم کے شروع میں "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" آئی ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ تبرک یا مدد لینا صرف اللہ کے نام سے مخصوص ہے۔

دنیا جا جا کر لوگوں سے ملتی اور درخواستیں کرتی ہے، خدا کے ہاں اس طرح جانے کی تو کوئی صورت ہی نہیں ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر تمہیں یوں استحضار حاصل نہیں ہو سکتا تو تو میرے نام نامی کو تو سامنے رکھ سکتے ہو اس کو بول کر اور پڑھ کر برکت بھی حاصل کر سکتے ہو اور مدد بھی۔

اسی طرح تعویذ، جو پناہ لینے کی ایک شکل ہے، اس کے لیے بھی خدا نے اپنے ہی نام نامی کی طرف رہنمائی فرمائی ہے

وَاِمَّا یَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّیْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ (اعراف ع ۲۴)

"اور اگر شیطان کی طرف سے آپ کو کوئی دخل اندازی (محسوس) ہونے لگے تو اللہ (کے نام) کی پناہ لیجیے"۔

ہاں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سورۂ کہف کی پہلی تین آیات کو دجال کے فتنے سے بچنے کے لیے پڑھنے کو ضرور بتایا ہے۔

من قرا ثلث ایات من اول الکھف عصم من فتنۃ الدجال (ترمذی)

مسلم شریف میں پہلی دس آیات کا ذکر آیا ہے (مسلم)

سورۂ بقرہ کے متعلق فرمایا کہ جس گھر میں پڑھی جائے، شیطان اس گھر سے بھاگ کھڑا ہوتا ہے

ان الشیطان ینفر من البیت الذی یقرأ فیہ سورۃ البقرۃ (مسلم)

خود شیطان نے بتایا کہ بستر پر لیٹتے وقت آیت الکرسی پڑھ لیا کرو، رات بھر خدائی نگران تیری حفاظت کرے گا اور شیطان تیرے قریب بھی نہیں آئے گا۔ حضورؐ نے فرمایا، گو وہ جھوٹا ہے پر بات سچ کہی ہے:

اذا اویت الی فراشک فاقرأ ایۃ الکرسی، اللہ لا الہ الا ھو الحی القیوم حتی تختم الایۃ فانک لن یزال علیک من اللہ حافظ ولا یقربک شیطان..... قال رسول اللہ صلعم)

اما انہ صدقك وھو کذوب (بخاری)

خود حضورؐ جب سونے لگتے تو تینوں قُل (قل ھو اللہ احد، قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس) پڑھ کر ہاتھوں پر دم کر کے اپنے بدن پر ہاتھ پھیر کر سوتے تھے۔

کان اذا اوی الی فراشہ کل لیلۃ جمع کفیہ ثم نفث فیھما فقرأ فیھما قل ھو اللہ احد وقل اعوذ برب الفلق وقل اعوذ برب الناس ثم یمسح بھما ما استطاع من جسدہ (بخاری و مسلم)

الغرض کثرت سے قرآن حکیم کی سورتیں اور دعائیں حضورؐ نے گھر اور جان و مال کی حفاظت اور برکت کے لیے بتائی ہیں، ان کو چھوڑ کر آخر ان وظیفوں اور تعویذوں کی طرف لپکنے کی ضرورت ہی کیا رہ جاتی ہے، جن کا قرآن میں ذکر ہے نہ حدیث میں، نہ وہ دعا کسی صحابی نے بتائی ہے اور نہ کسی امام نے؟

انبیاء اور صلحاء کے اسماء گرامی ہوں یا دوسرے ٹونے ٹوٹکے، شخصیت اور وہم پرستانہ ذہنیت کی غماز ہیں، اگر ان کو واقعی "درد کی دوا" مطلوب ہے تو طبیب حقیقی رب العلمین اور اس کے وارالشفاء کے مسلمہ حکیم الامت حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہمارے مادی اور معنوی امراض اور روگوں کے لیے جو نسخہ تجویز کرتے ہیں ان کا احترام کرنا چاہیے اور "عطائی قسم کے عطاروں" کے چٹکلوں کے پیچھے پڑ کر اپنے امراض کو مزید مستحکم اور خطرناک بننے سے پرہیز کرنا چاہیے۔ حضرت رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں جو شخص اس قسم کے دفعیہ کے لیے کوئی چیز لٹکاتا ہے، اسے پھر اسی کے حوالے کر دیا جاتا ہے کہ اگر تمہیں خدا کے مقابلے میں انہی چیزوں پر زیادہ بھروسہ ہے تو تم جانو اور وہ۔

مَنْ تَعَلَّقَ شَیْئًا وُکِلَ اِلَیْہِ (ابوداؤد۔ عبد اللہ بن الحکیم)

ہاں بعض چیزیں طبعی خواص کی بنا پر بالخاصہ اثر کرتی ہیں، جیسے بچوں کے لیے عود صلیب وغیرہ کا گلے میں لٹکانا بتایا جاتا ہے تو ان کی بات اور ہے، ان کو منجملہ اسباب شمار کیا جاتا ہے جو ممنوع نہیں ہے۔ بات صرف وہم پرستانہ ذہنیت کی ہے۔ اسلام انسان کو سب سے زیادہ خدا پر بھروسہ کرنے اور حقائق کے سلسلے میں "یقین واثق" سے تمسک کرتا ہے۔ اس لیے ان باتوں کو اسلام نفرت کی نگاہ سے دیکھتا ہے، جو انسان کو خدا کے مقابلے میں غیر اللہ سے آس لگانے میں زیادہ قابل بناتی ہیں اور اشیاء کا حقیقت پسندانہ جائزہ لینے کے بجائے ان کو ان سے مرعوبیت کے لیے سازگار فضا مہیا کرتی ہیں۔ ایسے لوگ انفس و آفاق کی تسخیر کے قابل رہنے کے بجائے ان کے غلام رہ کر دنیا میں رسوا ہو جاتے ہیں۔ بہر حال انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام ہوں یا صلحائے امت وہ اپنے اسوۂ حسنہ کے اعتبار سے سب سے بڑا تعویذ ہیں کہ انہی کی راہوں پر چل کر لوگ ان مقامات عالیہ پر

کمندیں ڈال سکتے ہیں جو ان کے اعمالِ صالحہ کا ہدف بنے رہے ہیں، اصل اور کامیاب تعویذ بھی یہی ہے کہ انسان ان کے "سراپا" کی ہو بہو تصویر بن جائے، لیکن اگر اس کے بجائے یوں ہو کہ اپنا سراپا اور اندازِ زیست تو ان کے بالکل برعکس ہو مگر ان کے نام کی تختیاں آویزاں کر کے انہی کرامات اور حسنات کے حصول کی تمنائیں کرنے لگ جائیں جو ان کے عظیم کردار اور حسنات کا نتیجہ تھیں تو یہ "بزرگ نافہمی" کی بدترین مثال ہو گی بلکہ بزرگوں کی شان میں یہ گستاخی ہے کہ ان کی شرم رکھنے کے بجائے ان کے پاک ناموں کو استعمال کرنے یا ان کے استحصال کی کوئی بھونڈی شکل پیدا کی جائے۔ بزرگوں کا وجود "نمونہ" تو ہوتا ہے معبود نہیں ہوتا۔

حق تعالیٰ نے عہدِ جاہلیت کی حماقتوں میں سے ایک یہ حماقت بیان فرمائی ہے کہ کچھ لوگ بعض جنوں کی پناہ ڈھونڈا کرتے تھے۔

وَاَنَّہٗ کَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْاِنْسِ یَعُوْذُوْنَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ (الجن)

انسانوں میں کچھ لوگ ایسے (بھی) ہوتے ہیں کہ وہ جنات میں سے بعض کی پناہ لیا کرتے تھے۔

الغرض: بھوت پریت وغیرہ کے تصور سے بندۂ مسلم یوں ہراساں رہے۔ حیرت کی بات ہے، جن پریت کیا شے ہے، بندۂ مومن سے تو دوزخ بھی لرزتی ہے۔ بہرحال خدا تعالیٰ نے اپنے نام کے "ذکر" کا تو بار بار ذکر فرمایا ہے لیکن غیروں کے ناموں کی ایسی کوئی فہرست بیان نہیں کی، جن کے نام کی مالا جپنے کو مبارک تصور کیا جا سکے، گو وہ نام، نام مبارک ہی ہوتے ہیں، تاہم تعویذ نہیں ہوتے۔ اللہ نے تعویذ کا انتساب صرف اپنے سے کیا ہے۔ مثلاً قل اعوذ برب الفلق، قل اعوذ برب الناس، فاستعذ باللہ۔ اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم۔ دراصل اللہ کے نام کا تعویذ وہاں زیادہ کام دیتا ہے جہاں بندہ بظاہر، ظاہری اسباب کے ساتھ ناگہانی آفات کے مقابلے میں قاصر رہتا ہے۔ اس لیے پناہ میں صرف رب کی تلاش ہونی چاہیے کیونکہ سب چیزیں اس کے قبضہ میں ہیں۔ جو خود کسی کے قبضہ میں ہو، اس کی پناہ ڈھونڈنا کچھ ہوش کی بات نہیں معلوم ہوتی۔

اے اللہ کے ولی دعا کیجیے: بزرگ ہستیاں جب ہم میں موجود ہوتی ہیں، ان سے جا کر ان سے دعائیں کرانا جائز ہوتا ہے، کیونکہ صحابہؓ جا جا کر حضورؐ سے دعائیں کرایا کرتے تھے بلکہ دعا کی حد تک یہ امتیاز بھی غلط ہے کہ کوئی بزرگ ہے تو دعا کراؤ ورنہ نہیں، کیونکہ خدا سب کی سنتا ہے۔ مسلمان بھائی کی دوسرے مسلمان بھائی کے لیے دعا قبول ہوتی ہے، مسافر اور مریض سے دعا کرانا بھی اجابت کا موجب ہوتا ہے، اگر دعا کرنے والا دعا کرانے والے سے درجہ میں کم ہی کیوں نہ ہو، اس سے اس کے

لیے درخواست کی جا سکتی ہے۔ حضورؐ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا تھا کہ اپنے بھائی کو دعاؤں میں نہ بھولیو! بلکہ آپؐ نے پوری امت سے یہ سفارش کی ہے کہ وہ مقام محمود اور مقام وسیلہ کے سلسلہ میں اللہ سے ان کے لیے دعا کیا کرے۔

اصل بات یہ ہے کہ خدا سے مانگا جائے تو وہ خوش ہوتا ہے اس لیے اگر اپنے ساتھ دوسروں کو بھی خدا کے حضور دست دعا دراز کرنے کے لیے ان سے درخواست کی جائے تو وہ اور بھی خوش ہوتا ہے۔ اور وہ کوئی ہو! اس لیے جو لوگ اس خبط میں پڑے رہتے ہیں کہ کوئی بزرگ ہستی ملے تو دعا کرائے۔ اور جن سے حضورؐ نے دعا کرانے کو مستحسن اور مفید بتایا ہے، ان سے استفادہ نہیں کرتے وہ اصل میں بہت بڑی بھول یا احساس کمتری میں مبتلا ہیں۔ دوسرے سے دعا کرانے میں دراصل بندہ کی عاجزی، فروتنی اور انکساری بھی پائی جاتی ہے۔ اس لیے اگر بلا امتیاز دوسرے کسی بھی شخص سے دعا کرنے کو کہا جائے تو مبارک ہوتا ہے نامناسب نہیں ہوتا۔

صحیح یہ ہے کہ جب دنیا سے بزرگ اور صلحاء کوچ کر جاتے ہیں تو اب ان کے مزارات کی طرف رخ کرنے سے پرہیز کرنا چاہیے۔ اس لیے نہیں کہ اب ان کی اہمیت گھٹ گئی ہے بلکہ اس لیے اور صرف اس لیے کہ: توحید کے جس چمن کے لیے خود انھوں نے اپنی ساری راحتیں اور زندگی کی ساری پیاری ساعتیں کھپا دی تھیں، وہ اجڑنے نہ پائے، کیونکہ ان کے مزارات پر درس عبرت کے لیے جانا تو مفید ہوتا ہے کہ جو اتنی بڑی عظیم ہستیاں تھیں، وہ بھی نہ رہیں اور شہر خموشاں میں جا کر منہ چھپایا تو ہم کس باغ کی مولی ـــــ لیکن اس کے بجائے اگر کوئی ان سے دعائیں کرانے کو جاتا ہے تو پھر اس امر کا دروازہ کھل جاتا ہے کہ دنیا خدا کا در چھوڑ کر دوسروں کے آستانوں پر ٹھوکریں کھائے۔

دنیا میں رحمۃ للعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مزار پاک سے افضل، پاک اور منور اور کوئی مزار نہیں ہے، جب ضرورت پڑی ہے تو موجود بزرگ صحابہ کی طرف تو رجوع کیا گیا ہے کہ دعا کیجیے! لیکن ایسا ایک واقعہ بھی نہیں ملتا کہ انھوں نے حضورؐ کے روضۂ اطہر کی طرف رجوع کیا ہو کہ حضورؐ! ہماری آپ کے آگے اور آپ خدا کے آگے ہماری درخواست پیش کریں۔ قحط کے دوران حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دعا کرائی مگر روضۂ اطہر کی طرف رخ نہیں کیا۔ حالانکہ یہ کچھ مشکل بات بھی نہیں تھی۔ معلوم ہوا کہ حاجات کے سلسلے میں مزارات کی طرف رخ کرنا توحید کے تصور کے لیے سخت مہلک ہے۔ یہ بسم اللہ، باسم اللات والعزیٰ پر جا ختم ہوتی ہے۔

اس کے علاوہ ان سے درخواست کرنا اس بات پر موقوف ہے کہ اہل قبور سنتے ہیں، حالانکہ یہ کافی مختلف فیہ شے ہے۔ اور قرآن و حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں "سلسلہ سماع" منقطع ہے کیونکہ سننے کا تعلق جس "حاسہ" سے ہے وہ بھی وہاں معدوم ہے۔ اور جن برقی لہروں سے یہ سلسلہ جنبانی ممکن ہوتی ہے وہ بھی وہاں ناپید ہیں۔ اس کے علاوہ وہ جہاں اور ہے یہ جہاں اور ہے۔ دونوں کے مابین کنکشن کے لیے کسی رابطہ کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ وہاں وہ اپنی کمائی کا پھل پانے کے لیے پہنچے ہیں، کچھ کرنے کے لیے نہیں گئے، کیونکہ وہ دار العمل نہیں، دار الجزاء ہے، دعا بندے کا ایک عمل ہے ثمر نہیں ہے۔

خدا سے اگر مایوسی ہوتی تو دوسرے امکانات کا جائزہ لینے کی باری بھی آسکتی تھی، خدا تو فرماتا ہے

میں تمہاری شہ رگ سے نزدیک ہوں۔

واسطہ کی ضرورت وہاں ہوتی ہے، جو پاس نہ ہو، پاس ہو تو سنتا نہ ہو۔ وہ تو فرماتا ہے:

"مجھ سے دعا کرو میں قبول کروں گا" اگر آپ اس کے بجائے مزارات کی طرف دوڑیں گے تو پھر اس کے معنی ہوں گے کہ آپ خدا کو بدنام کرنے کو دوڑے ہیں کہ وہ میری نہیں سنتا۔ حالانکہ یہ بات بالکل غلط ہے۔ ہاں خود بھی خدا سے دعا کریں اور دنیا میں موجود بزرگوں کو بھی اپنے ہمراہ ملائیں تاکہ درِ اجابت جلدی کھل جائے تو سونے پر سہاگہ ہے۔ اگر حدیث سے موجود بزرگوں سے دعا کرانا ثابت نہ ہوتا تو ہم اس کی بھی اجازت نہ دیتے۔ چونکہ یہ پردہ حدیث نے اٹھا دیا ہے کہ: مل کر دعا کر سکتے ہو اور اجتماعی دعائیں اسی طرح مفید ہوتی ہیں، جس طرح دوسرے اجتماعی کاموں میں برکت ہوتی ہے۔ بہر حال یہاں یہ اجتماع ممکن ہے۔ وہاں تو یہ بھی نہیں ہے۔

سلطان باہو خواب میں۔ وہ خواب جن کو شرعی حیثیت حاصل ہوتی ہے وہ صرف پیغمبر کے خواب ہوتے ہیں، دوسرے کی حیثیت صرف نیک شگون اور مبارک تلمیح کی ہوتی ہے وہ مثبت احکام نہیں ہوتے۔

خواب کیا شے ہے؟ عالم غفلت اور بے ہوشی کی واردات کا نام ہے جو عموماً انسان کے اپنے شب و روز اور دلچسپیوں کا پرتو ہوتے ہیں۔ اگر خارج میں ان کے لیے کتاب و سنت میں کوئی اساس موجود ہوتی ہے تو ان کو "مبشرات" قرار دیا جاسکتا ہے جن کی گواہی گویا ان کی فطری نفسیات سے بھی حاصل ہوگئی ہے جو انسان کے ضمیر کے لیے "وجہ طمانیت" بن سکتی ہے۔ اگر کتاب و سنت کے برعکس کوئی شے ہے تو گو وہ خود انسان کی اپنی "فطرت سلیمہ" کی غماز بھی ہوتی ہے تاہم ان کو اضغاث احلام (دوسرے لفظوں میں

گندم سنجار) کہہ سکتے ہیں۔

خواب میں بزرگوں کا ان خواب دیکھنے والوں سے رابطہ جن سے زندگی میں کوئی شناسائی نہیں رہی تھی ناقابلِ فہم بات نہیں ہے۔ دراصل بزرگوں کے بجائے خواب دیکھنے والے کی اپنی ہی طرف سے یہ ایک گونہ رابطہ اور کیفیت کی ایک شکل ہے۔ اس لیے اس رابطہ کو بزرگ کی طرف منسوب نہ کیجیے! اسے خواب دیکھنے والے کی ایک ذہنی اور قلبی نسبت ہی تصور کیجیے! اور یہ باتیں زندہ آدمیوں کے شئون اور احوال وظروف کے قدرتی نام (جھلکیاں) اور سائے ہیں جو انسان کے لاشعور خانوں تک در از رہتے ہیں ــــ جس کا اس وقت تک احساس نہیں ہوتا جب تک اسے کوئی مضراب نہیں چھیڑ پاتا۔ کبھی ایک بات ذہن میں ابھر کر دب جاتی ہے جو مدتوں طاقِ نسیاں کی زینت بن کر رہ جاتی ہے۔ لیکن یوں محسوس ہوتا ہے کہ جس طرح ٹیپ ریکارڈ کی ریل چلتے چلتے وہاں پہنچ جاتی ہے جہاں وہ آسودہ گنگ بھی صدا دینے لگ جاتی ہے، جو کبھی اس میں بھر گئی تھی، وہی کیفیت ان ذہنی خانوں کی ہے کہ ان میں جو تصورات کبھی مرتسم ہو جاتے ہیں، وہ ایک وقت آتا ہے جو خیالوں اور خوابوں میں ابھرنے لگ جاتے ہیں مگر خود انسان ان کے احساس کرنے سے قاصر رہتا ہے کہ دماغ کے نہاں خانوں میں وہ کب آئے آ کر پھر وہ کیوں اور کیسے بے آواز ہو کر رہ گئے اور اب کسی مضراب کے چھیڑنے پر وہ مچل اٹھے؟ اس لیے آپ اس بکھیڑے میں نہ پڑیں کہ اگر خوابیدہ ہستیوں کی طرف سے یہ رہنمائی کا روپ نہیں ہے تو پھر حکایات کے یہ سلسلے خواب میں کیونکر نمودار ہوئے۔

یہ تحریک شیطان کی طرف سے بھی ہو سکتی ہے، کیونکہ وہ نہایت معصومانہ طریقے سے خواب دیکھنے والے کو ان اللہ والوں کے مزارات کے قریب لا کر تھپکی دینا چاہتا ہے۔ جب اسلامی روپ میں ایک شخص اپنے دل میں کسی کی عظمت کا سکہ بٹھا لیتا ہے، تو پھر اسے اس کے گرد جمع کرنے میں اسے کوئی دقت نہیں رہتی۔

سلطان باہو کو جس نے خواب میں دیکھا ہے، ظاہر ہے اس کے سامنے ان کی بزرگانہ ایک خیالی تصویر ہی ہوگی، جن کو وہ خواب میں دیکھتا ہے، ہو بہو اس کی فوٹو ان کے سامنے آ گئی ہو مشکل ہے۔ اس لیے یہی کہا جائے گا کہ یہ خود ان کے اپنے قلبی واردات ہیں یا شیطان کی ڈپلومیسی ہے جو یوں اس کو قبر پرستی کے لیے ہموار کرنے کی کوشش کر رہا ہے کہ کسی طرح ان لوگوں سے ایک گونہ تعلق خاطر ہو جائے! ویسے بھی یہ ایک واقعہ ہے کہ ابلیس انبیاء علیہم السلام کے بہروپ میں نمودار نہیں ہو سکتا۔ باقی دنیا کی ہر چیز کے روپ میں آ سکتا ہے۔ اس لیے یقینی طور پر یہ کہنا کہ یہ صاحب جو خواب میں نظر آئے ہیں واقعی حضرت باہو تھے بہت مشکل ہے۔

پست اور اونچی آواز کے مابین تلاوت قرآن۔ قرآن کو نہ ماننے والوں کا مقابلہ کیا۔ ایک مرد کے مقابلے میں شہادت کے لیے دو عورتیں۔ خدا کے لیے جمع کا صیغہ۔ حضورؐ کا تیوری چڑھانا۔

شاہ پور شہر سے ایک صاحب لکھتے ہیں کہ:

۱۔ قرآن مجید نے جہر (اونچی آواز سے) اور خفت (خاموش) پڑھنے سے منع فرمایا ہے۔ درمیانی راہ کون سی ہے؟

۲۔ کفار قرآن کو مانتے ہی نہیں تھے، تو ان سے مطالبہ کرنا کہ اس کی مثل بنا کر لاؤ۔ عجیب مطالبہ ہے۔

۳۔ قرآن مجید نے شہادت کے لیے عورتوں کے لیے دو عدد مقرر کرنے کی یہ علت بتائی ہے کہ: ایک بھول جائے تو دوسری یاد دلا دے، کیا مرد نہیں بھولتے؟

۴۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ اپنی ذات کے بارے میں جمع کا صیغہ بھی استعمال کرتا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شاید خدا کے ساتھ کوئی اور بھی ہے۔

۵۔ عَبَسَ وَ تَوَلّٰی میں نابینا صحابی کے سلسلے میں بتایا گیا ہے کہ: حضورؐ نے تیوری چڑھائی۔ وہ تو نابینا تھے، تیوری چڑھانے کا اس کو کیسے پتہ لگ سکتا تھا؟ (مختصراً)

الجواب

جہر اور آہستہ پڑھنا۔ قرآن حکیم میں آیت ہے:

وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيلًا (پ۱۵۔ بنی اسرائیل ع۱۲)

"نماز میں نہ تو پکار کر پڑھئے اور نہ بالکل چپکے (بلکہ) دونوں کے درمیان ایک میانہ طریقہ اختیار کیجیے"۔

جہر۔ یہاں جہر سے مراد ضرورت سے زیادہ اونچی آواز میں پڑھنا، دوسروں کے کان کھانا اور غیر متعلق آدمیوں کو سنانا ہے۔ اس کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں۔

۱۔ با جماعت نماز ہو تو مقتدیوں تک تقریباً آواز رہے، تنہا ہو تو اپنی ذات کی حد تک محدود رہے، اس سے زیادہ آواز نہیں چاہیے۔ غرض یہ ہے کہ: وقار اور سنجیدگی بہر حال ملحوظ رہے۔ اور سننے والا یہ محسوس نہ کرے کہ: کہرام مچ گیا ہے۔

چپکے چپکے۔ چپکے چپکے اور آہستہ آہستہ پڑھنے سے مراد ایسا پڑھنا ہے کہ متعلقہ افراد کو بھی پتہ نہ چلے، نماز باجماعت ہو تو مقتدی، اکیلا ہو تو خود اپنی ذات کی حد تک رہے کہ ان کو محسوس ہو کہ کیا پڑھا جا رہا ہے۔

حدیث میں اس کی مثال حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ والا واقعہ ہے کہ حضرت ابوبکر آہستہ پڑھ رہے تھے تو اس سے فرمایا، اس سے کچھ اور اونچا پڑھو، اور حضرت عمر اونچی آواز میں پڑھ رہے تھے تو آپ نے فرمایا، اس سے کچھ آہستہ پڑھو۔

ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خرج لیلۃ فاذا ھو بابی بکر یصلی ویخفض من صوتہ و مر بعمر ھو یصلی رافعا صوتہ قال فلما اجتمعا عند النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال یا ابا بکر مررت بک وانت تصلی تخفض صوتک قال قد اسمعت من ناجیت یارسول اللہ وقال لعمر مررت بک وانت تصلی رافعا صوتک فقال یارسول اللہ اوقظ الوسنان واطرد الشیطان فقال النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یا ابا بکر ارفع من صوتک شیئا وقال لعمر اخفض من صوتک شیئا (ابوداؤد)

یعنی حضرت قتادہؓ فرماتے ہیں: ایک رات حضورؐ باہر نکلے تو کیا دیکھتے ہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نماز پڑھ رہے ہیں (مگر) آہستہ آواز میں اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس سے گزرے تو وہ اونچی آواز سے نماز (نوافل) پڑھ رہے تھے، (اتفاق سے) جب وہ دونوں حضورؐ کے پاس اکٹھے ہوئے تو آپؐ نے فرمایا:

اے ابوبکر! میں آپ کے پاس سے گزرا تو آپ آہستہ آواز میں نماز پڑھ رہے تھے، عرض کی حضورؐ! میں جس (ذات پاک) سے مناجات کر رہا تھا میں (صرف) اسے ہی سنا رہا تھا۔"

(پھر) حضرت عمرؓ سے فرمایا کہ میں آپ کے پاس سے گزرا تو آپ اونچی آواز میں نماز پڑھ رہے تھے؟ تو عرض کی حضورؐ!

میں نیند سے بوجھل لوگوں کو جگاتا اور شیطان کو بھگاتا تھا۔"

پھر آپؐ نے حضرت ابوبکرؓ سے فرمایا کہ آپ تھوڑا سا اور اونچا پڑھا کریں اور حضرت عمرؓ سے فرمایا کہ آپ کچھ آہستہ آواز رکھیں۔"

یہ روایت مندرجہ بالا آیت کی صحیح تفسیر پیش کر رہی ہے۔

کفار کا قرآن کو نہ ماننا۔ دراصل آپ بات کو نہیں سمجھے! بات یہ نہیں کہی جا رہی ہے کہ تم قرآن کو خدا کا کلام مانتے ہو تو اس کے مقابلے میں تم بھی کوئی نمونہ پیش کرو، کیونکہ یہ بے تکی بات ہے۔ دراصل ان سے کہا یہ جا رہا ہے کہ: اگر تم کہتے ہو کہ یہ خدا کا کلام نہیں ہے، بلکہ حضورؐ کا یہ اپنا کلام ہے تو تم بھی عربی ہو، تو کلام کا ایسا نمونہ تم بھی پیش کر دکھاؤ، ورنہ یہی کہنا پڑے گا کہ یہ اللہ کا کلام ہے، جس کے مقابلے سے دنیا عاجز ہے اور تم بھی قاصر ہو! یہ بالکل سیدھی سی بات ہے، بشرطیکہ سمجھنے کی کوشش کی جائے!

شہادت کے لیے دو عورتیں۔ ایک مرد کے مقابلے میں دو عورتوں کی شہادت کی جو علت بتائی گئی ہے، گو وہ مرد کو بھی لاحق ہو سکتی ہے لیکن اس کا تعلق عموماً خارجی عوامل سے ہوتا ہے، جن کی ممارست عورتوں کو شاذ و نادر ہی ہوتی ہے، راہ چلتے یا گھر کے جھروکے سے کسی واقعہ کی عینی گواہ ہو سکتی ہے لیکن اس سے واقعہ کا پورا پس منظر بھی ان کے سامنے آ جائے یا واقعہ کی پوری پوری تصویر بھی ان کے ذہن میں اتر جائے، آسان بات نہیں ہوتی، اس لیے تثبت کے لیے ضروری تصور کیا گیا ہے کہ: ایک کی بجائے عورتیں دو ہوں تو شہادت میں تثبت کے امکانات اور قوی ہو جائیں گے مگر مرد کا معاملہ اس کے بالکل برعکس ہے۔ گو یہ بھی ہوتا ہے کہ اس سلسلے میں بعض اوقات عورت کی شہادت مرد کی بہ نسبت زیادہ وزنی ہوتی ہے مگر یہ استثنائی صورتیں ہیں۔ حکم الاکثر حکم الکل کے مطابق شہادت کے سلسلے میں عورتوں کا عددی نصاب دور کھا گیا ہے — اور یہ بات بالکل واضح ہے۔

جمع کا صیغہ۔ اللہ نے اپنی ذات کے لیے جمع کا صیغہ اسی طرح استعمال فرمایا ہے جس طرح ہمارا ہر فرد، تنہا ہونے کے باوجود "ہم کہتے ہیں، ہم کرتے ہیں، ہمارا یہ آرڈر ہے، ہماری یہ گواہی ہے" بولتا ہے۔ ظاہر ہے اس سے مراد کوئی یہ نہیں لیتا کہ: ہم سے مراد ایک سے زیادہ افراد ہیں۔ دراصل ایسے مواقع پر اس کے پس پردہ جو احساس کام کر رہا ہوتا ہے، وہ اپنی عظمت اور شایانِ شان حیثیت کا ہوتا ہے۔ جو خدا کی ذات کے بارے میں تو یہ ایک حقیقت اور واقعہ ہے، اس لیے اسے یہ سجتا بھی ہے۔ جیسے ہر حکمران بھی یہ انداز اختیار کیا کرتا ہے۔

تیوری چڑھانا۔ تیوری چڑھانے سے غرض لوگوں کو دکھانا نہیں بلکہ ناگواری کی یہ ایک قدرتی کیفیت ہوتی ہے جو تنہائی میں بیٹھے ہوئے انسان پر بھی طاری ہو سکتی ہے — حضورؐ کی یہ کیفیت، ناگواری کی ایک قدرتی شکل تھی، جو چہرۂ اقدس سے نمودار ہو گئی تھی، نابینا صحابی کو گھورنے کے لیے نہیں تھی، بلکہ صرف حق کے جذبہ کے لیے تھی۔ اس لیے عین دین تھی۔ خلق عظیم کی غماز بھی تھی کیونکہ اس کے باوجود اسی پر سرزنش بھی نہیں فرمائی تھی، باقی رہی خدا کی طرف سے اس پر آپ کو تنبیہ؟ سو وہ آپ کے زاویۂ نگاہ کی تبدیلی کے لیے تھی — جو بالکل اصولی اور بجا تھی۔

۴۰ دن میں آسان درس عربی کے پچیس ۲۵ آسان سبق
مصنفہ: محمد یار راضی
بغیر استاد پڑھ کر عربی بول چال اور قرآن مجید کا ترجمہ سیکھیں۔ ہزارہا افراد مستفید ہو چکے ہیں۔ قیمت ۴/۸۵ روپے
آسان درس عربی کی کلید۔ قیمت ۳/۸۵ روپے۔ مکتبہ الشیا ۱۰ عربی شاہ عالم مارکیٹ۔ لاہور

تعارف و تبصرۂ کتب

نام کتاب	ملک شاہ سلجوقی
مصنف	طالب ہاشمی
صفحات	۳۶۳
ناشر	قومی کتب خانہ (رجسٹرڈ) ریلوے روڈ۔ لاہور
قیمت	بارہ روپے

سلجوقیوں کا دورِ حکومت تاریخِ اسلام کا ایک تابناک باب ہے۔ ان کا ظہور ایک ایسے وقت میں ہوا جب خلافتِ عباسیہ کا ضعف انتہا کو پہنچ چکا تھا اور دشمنانِ اسلام کی للچائی ہوئی نظریں مسلمان ممالک پر پڑ رہی تھیں۔ اسی پُر آشوب زمانے میں سلجوقی اسلام کا بازوئے شمشیر زن بن کر جریدۂ عالم پر ابھرے اور دیکھتے ہی دیکھتے سارے ایشیا پر چھا گئے۔ انھوں نے نہ صرف عباسی خلافت کو مٹنے سے بچایا۔ بلکہ مسلمانوں کو ایک ایسی قوت بنا دیا کہ اعدائے اسلام ان کا نام سن کر تھرانے لگے۔ اس کے ساتھ ہی انھوں نے علم و ہنر اور تہذیب و تمدن کے ایسے چراغ روشن کیے کہ ساری دنیا ان سے روشن ہو گئی۔ سلطان ملک شاہ کے عہد میں سلجوقیوں کی حکومت اپنے نقطۂ عروج پر پہنچ گئی تھی اور مشرق و مغرب کے کسی فرمانروا کو ملک شاہ کی ہمسری کا یارا نہیں تھا۔ مشہور ادیب اور سوانح نگار جناب طالب ہاشمی مبارک باد کے مستحق ہیں کہ انھوں نے اس عظیم مسلم فرمانروا کے حالات پہلی بار اردو زبان میں نہایت شرح و بسط کے ساتھ قلمبند کیے ہیں۔ ان کی ترتیب و تدوین میں انھوں نے بلا مبالغہ بڑی جانکاہی اور دیدہ ریزی سے کام لیا ہے۔ کتاب میں ملک شاہ کے نامور آباؤ اجداد اور اس دور کے متعدد اہل کمال کے حالات بھی درج ہیں۔ مزید براں ملک شاہ کی وسیع و عریض سلطنت کا ایک رنگین نقشہ بھی کتاب کے شروع میں شامل کر دیا گیا ہے۔ اس سے کتاب کی افادیت میں اضافہ ہو گیا ہے۔ اندازِ نگارش بڑا شگفتہ اور دلآویز ہے۔ فاضل

مصنف اس سے پہلے بھی اسلام کی کئی اور شخصیتوں پر بڑی جامع کتابیں پیش کر چکے ہیں۔ ان کی اس تازہ علمی کاوش سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ تنہا ایک ادارے کا کام کر رہے ہیں۔ فحاشی اور اخلاق باختگی کے اس دور میں ایسا ٹھوس اور علمی کام کرنا بلاشبہ عظیم قومی خدمت ہے۔ اگر فاضل مصنف کو اس کا صلہ اس دنیا میں نہ بھی ملا تو ہمیں امید ہے کہ آخرت میں ضرور اجر عظیم سے نوازے جائیں گے۔

قومی کتب خانہ لاہور بھی مستحق تبریک ہے جو ایسی کتابوں کو بڑے اہتمام سے منظر عام پر لا رہا ہے۔ ملک شاہ سلجوقی کی کتابت، طباعت اور کاغذ نہایت عمدہ ہے اور قیمت بالکل واجبی۔ ہمیں امید ہے کہ کوئی کتب خانہ اور لائبریری اس کتاب سے خالی نہیں رہے گی۔ (ادارہ)

(۲)

نام کتاب	سید مودودی کے تعلیمی نظریات
مؤلف	محمد حسین
ناشر	ادارہ تحقیق واشاعت ۸۔اے ذیلدار پارک اچھرہ۔لاہور
صفحات: ۱۰۰	قیمت ۷/ روپے
کاغذ وطباعت: عمدہ	ٹائپ

سید مودودی دورِ حاضر کے ان مفکرین میں سے ہیں جنھوں نے اسلامی نظام زندگی کی تفہیم اور ابلاغ کے لیے اَن تھک کوششیں کیں۔ ان کی مساعی کا نتیجہ جماعت اسلامی کی صورت میں ہمارے سامنے ہے۔ انھوں نے زندگی کے تقریباً ہر پہلو پر کچھ نہ کچھ لکھا ہے۔ ان کی فکر سے اختلاف ممکن ہے لیکن اسے نظر انداز کر دینا ممکن نہیں، مولانا مودودی صاحب نے تعلیم کے مسائل پر وقتاً فوقتاً اظہار خیال کیا ہے۔ ان کے مضامین کی روشنی میں فاضل مؤلف جناب محمد حسین صاحب نے مودودی صاحب کے تعلیمی افکار پر گفتگو کی ہے۔

فاضل مؤلف نے یہ مقالہ جناب منور ابن صادق صاحب اور جناب مشتاق الرحمان صاحب کی نگرانی میں ایم۔ایڈ کے لیے لکھا تھا اور اب معروف دانشور جناب نعیم صدیقی صاحب کے دیباچے کے ساتھ ادارۂ تحقیق واشاعت نے شائع کیا ہے۔

مقالہ کی جزوی خامیوں کے باوجود یہ امر قابلِ تحسین ہے کہ مولانا صاحب کے تعلیمی نظریات کو اہل تحقیق ودانش نے اپنی توجہات کا مرکز بنایا ہے۔ اس کا مطالعہ شعبۂ تعلیم سے تعلق رکھنے والوں کے لیے مفید ثابت ہوگا۔ (ابو شاہد)

نوجوان علماء میں قدیم وجدید علوم کی جامعیت اور ماہرانہ تربیت کیلئے

الجامعۃ السلفیۃ

(درجہ تکمیل و تخصص)

جماعت اہلحدیث کے لیے صاحبِ تحقیق مصنف، تربیت یافتہ مدرس اور بہترین خطیب مہیا کرنے کے لیے علم وادب کے مرکز لاہور میں اعلیٰ تعلیم وتربیت کا مرکزی منصوبہ۔

* بلند پایہ محقق علماء اور پروفیسر حضرات کی تدریس۔
* عمدہ اور وسیع لائبریری سے استفادہ۔
* اہم موضوعات پر تقریری وتحریری مقالات اور مذاکراتِ علمیہ

کے تجرباتی طریقوں سے

- قرآن وسنت کی گہری بصیرت اور جدید علوم کا مطالعہ
- مشہور مذاہب، مکاتبِ فکر اور تحریکوں کا تقابلی جائزہ
- مختلف محکمہ جات، سماجی، قومی اور بین الاقوامی اداروں کی واقفیت اور معلوماتِ عامہ
- عربی زبان کی تقریری وتحریری مشق کا خاطر خواہ انتظام۔

MUHADDIS
Regd. No. L. 7895

پہلا سال: علمی تکمیل و جامعیت کے لیے — اور — دوسرا سال: تحقیق وتصنیف، درس و تدریس اور دعوت وخطابت کے شعبہ جات میں سے کسی ایک میں تخصص کے لیے۔
دو سالہ نصاب کی تکمیل کی شرط پر رہائش وتعلیم کے مفت انتظام کے علاوہ دورانِ تربیت کفالت کیلئے ۲۵۰/ روپے ماہوار وظیفہ۔

حافظ محمد یحییٰ عزیز

ناظمِ تعلیمات مرکزی جمعیت اہلحدیث پاکستان

حدیث منزل ۷۔ ایبک روڈ (انارکلی) لاہور